قرآن اکیڈمی

انجمن خدام القرآن سندھ کراچی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ

آئینۂ انجمن

ربیع الثانی 1448ھ / اکتوبر 2026ء

شمارہ نمبر: 91

021-34993436-7

www.QuranAcademy.edu.pk

مرکزی دفتر انجمن خدام القرآن سندھ کراچی رجسٹرڈ B-375 علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6 گلشن اقبال، کراچی۔

آئینۂ انجمن

فہرست مضامین

نمبر	عنوان	مصنف	صفحہ
01	فرمان باری تعالیٰ جل جلالہ و فرمان نبوی ﷺ	---	02
02	صحابہ کی جانثاری اور جنگِ موتہ	ڈاکٹر انوار علی ابرار	03
03	حمد باری تعالیٰ جل جلالہ و نعت رسول پاک ﷺ	ولایت علی میر / اختر حسین اختر	05
04	ملفوظات صدر مؤسس انجمن خدام القرآن	ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ	06
05	اقتباس نگران انجمن خدام القرآن	شجاع الدین شیخ	07
06	پیغام قرآن (نویں قسط)	حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ	08
07	ترکہ اور وراثت، ایک بھولا ہوا فریضہ	محمد ارشد	12
08	دوستی، صحبت اور ماحول کا اثر	فاروق احمد	17
09	سوانح شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ (آخری قسط)	امین اللہ معاویہ	20
10	لمحوں کی امانت (پہلی قسط)	حافظ حذیفہ محمود	26
11	عہد حاضر کی اسلامی ریاست کے خدوخال	ماخوذ از تنظیم اسلامی کا انقلابی منشور	31
12	قرآن اکیڈمی یاسین آباد کا تفریحی و تربیتی سفر	حافظ عبدالرافع	33
13	انجمن خدام القرآن کے تحت جاری سرگرمیاں	ماہانہ رپورٹ	35
14	شعبہ ملٹی میڈیا	ماہانہ رپورٹ	40

فرمان الٰہی جل جلالہٗ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ [آل عمران: 110]

ترجمہ: تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر اور اگر ایمان لائے اہل کتاب تو ان کے لیے بہتر تھا کچھ تو ان میں سے ہیں ایمان پر اور اکثر ان میں نافرمان ہیں۔

تشریح: (اے امت محمدیہ) تم لوگ (سب اہل مذاہب سے) اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت (عام) لوگوں کے (نفع ہدایت پہنچانے کے لیے) ظاہر کی گئی ہے (اور نفع پہنچانا جو اس امت کے خیر اور افضل ہونے کی وجہ سے اس کی صورت یہ ہے کہ) تم لوگ (بمقتضائے شریعت زیادہ اہتمام کے ساتھ) نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور (خود بھی) اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو (یعنی ایمان پر قائم رہتے ہو یہاں اللہ پر ایمان میں وہ تمام عقائد و اعمال داخل ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں) اور اگر اہل کتاب (بھی جو تم سے مخالفت کر رہے ہیں، تمہاری طرح) ایمان لے آتے تو ان کے لیے زیادہ اچھا ہوتا (کہ وہ بھی اہل حق کی اسی بہتر جماعت میں داخل ہو جاتے، مگر افسوس کہ وہ سب مسلمان نہ ہوئے بلکہ) ان میں سے بعض تو مسلمان ہیں (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا کر داخل اسلام ہو گئے) اور زیادہ حصہ ان میں سے کافر ہیں (کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور ان کی بہتر امت میں شامل نہیں ہوئے)۔ (تفسیر معارف القرآن۔۔۔ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ. (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 1893)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی نیک کام کی طرف (کسی بندے کی) رہنمائی کی تو اس کو اس نیک کام کے کرنے والے بندے کے اجر کے برابر ہی اجر ملے گا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے کرام علیہم السلام اس لیے بھیجے جاتے تھے کہ اس کے بندوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دیں پسندیدہ اعمال و اخلاق اور ہر طرح کے اعمال خیر کی طرف ان کی رہنمائی کریں اور ہر نوع کی برائیوں سے ان کو روکنے اور بچانے کی کوشش کریں تاکہ دنیا و آخرت میں وہ اللہ کی رحمت اور رضا کے مستحق ہوں اور اس کے غضب و عذاب سے محفوظ رہیں۔ اسی کا جامعہ عنوان ''دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' ہے۔ جب خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تو قیامت تک کے لیے اس پیغمبرانہ کام کی پوری ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے سپرد کی گئی قرآن پاک میں فرمایا گیا: ''اور لازم ہے کہ تم میں ایک ایسی امت ہو جو (لوگوں کو) دعوت دے خیر اور بھلائی کی اور حکم کرے معروف (اچھی باتوں) کا اور روکے ہر طرح کی برائیوں سے اور وہی بندے فلاح یاب ہوں گے (جو یہ فریضہ ادا کریں گے)'' [آل عمران: 104]۔ بہر حال سلسلہ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اس پیغمبرانہ کام کی پوری ذمہ داری ہمیشہ کے لیے امت محمدیہ پر عائد کر دی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں وضاحت فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو امتی اس ذمہ داری کو کماحقہ ادا کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے کیسے عظیم انعامات کے مستحق ہوں گے اور جو اس میں کوتاہی کریں گے وہ اپنے نفسوں پر کتنا بڑا ظلم کریں گے اور ان کا انجام اور حشر کیا ہوگا۔ (معارف الحدیث)

صحابہ کی جانثاری اورجنگِ موتہ

ڈاکٹر انوار علی ابرار

جنگِ موتہ اسلامی تاریخ کا وہ عظیم الشان اور بے مثل معرکہ ہے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے ایمان، شجاعت اور جانثاری کی ایک ایسی لازوال داستان رقم کی جس کی نظیر انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ جنگ جمادی الاول 8 ہجری (ستمبر 629ء) میں موجودہ اردن کے علاقے 'موتہ' میں لڑی گئی۔ اس معرکۂ کارزار میں ایک طرف صرف تین ہزار نفوس پر مشتمل ناتجربہ کار اور کم اسلحہ سے لیس مسلمانوں کا مختصر لشکر تھا، جبکہ دوسری طرف اس وقت کی سپر پاور بازنطینی سلطنت (روم) اور ان کے اتحادی قبائل کا ایک سے دو لاکھ کا ٹڈی دل عسکری طوفان کھڑا تھا۔

اس تصادم کی بنیادی وجہ سفارتی اصولوں کی سنگین خلاف ورزی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو بصریٰ کے گورنر کے پاس اسلام کا پیغام دے کر قاصد بنا کر بھیجا۔ لیکن راستے میں رومی سلطنت کے ماتحت بلقاء کے غسانی حاکم، شرجیل بن عمرو غسانی نے انہیں انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا۔ عہدِ رسالت میں سفیروں کا قتل براہ راست اعلانِ جنگ تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن و امان قائم کرنے اور رومی تکبر کو توڑنے کے لیے فوری طور پر تین ہزار مجاہدین کا لشکر روانہ فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر معمولی طور پر ترتیب وار تین سپہ سالار نامزد فرمائے۔

جب جنگ کا آغاز ہوا تو تاریخ نے ایک عجیب منظر دیکھا؛ ایک کے مقابلے میں 66 سے زائد رومی فوجی صف آرا تھے۔ مگر صحابہ کے دلوں میں موت کا خوف نہیں بلکہ جامِ شہادت نوش کرنے کی تڑپ تھی۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی پرچم تھاما اور دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ وہ بے جگری سے لڑتے رہے یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں کا نشانہ بن کر جامِ شہادت نوش کر گئے۔ حضرت زید کی شہادت کے بعد حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے لپک کر پرچم اسلام کو سنبھالا۔ رومیوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جب ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے بائیں ہاتھ سے پرچم کو گرنے نہ دیا اور جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو انہوں نے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے پرچم کو سینے سے لگائے رکھا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان کے جسم مبارک پر تیروں اور تلواروں کے 90 سے زائد زخم آئے مگر کوئی زخم پیٹھ پر نہیں تھا۔ تیسرے نمبر پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر علمِ اسلام اٹھایا۔ ایک لمحے کے لیے انسانی تقاضے کے تحت ان کے دل میں جھجک آئی، لیکن انہوں نے فوراً اپنے نفس کو مخاطب کیا کہ اے نفس! تجھے جنت کی طرف بڑھنا ہے اور دشمن کی صفوں میں کود کر شہادت کا اعلیٰ رتبہ پایا۔

تینوں نامزد سپہ سالاروں کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے متفقہ طور پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر چنا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنھیں اس جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''سیف اللہ'' یعنی اللہ کی تلوار کا لقب عطا فرمایا، نے اپنی خداداد جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے راتوں رات اپنی فوج کی ترتیب بدل دی، دائیں بازو کو بائیں بازو کی طرف اور اگلی صفوں کو پیچھے منتقل کر دیا۔ صبح جب رومیوں نے نئے چہرے دیکھے تو وہ سمجھے کہ مسلمانوں کو مدینہ سے نئی امداد پہنچ چکی ہے، جس سے رومیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نہایت ہوشمندی سے لڑتے ہوئے جس میں ان کے ہاتھ سے 9 تلواریں ٹوٹیں، رومی لشکر کو پیچھے دھکیلا اور اپنے مختصر اسلامی لشکر کو بحفاظت نکال کر مدینہ

واپس لے آئے ۔ جنگِ موتہ محض ایک عسکری ٹکراؤ نہیں تھا، بلکہ یہ ایمان اور مادی طاقت کا مقابلہ تھا، جس نے پورے عرب اور اردگرد کے خطے پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی ۔

آج اس واقعہ کی یاد تازہ کرنے کا مقصد قصہ گوئی ہرگز نہیں ۔ بلکہ اس ایمان کی تجدید کی کوشش ہے جو ایک مومن کی شان ہوتا ہے ۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب جب مسلمانوں نے اپنے ایمان کی آبیاری کی اور اللہ پر توکل کیا انھوں نے کامیابیاں سمیٹیں اور جب بھی یہ امت دنیا کے پیچھے پڑی اس کے حصے میں ذلت و رسوائی آئی ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ بے مثال جانثاری قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے سبق چھوڑ گئی کہ کامیابی مادی وسائل اور کثرتِ تعداد سے نہیں، بلکہ خدا پر پختہ یقین، اطاعتِ رسول ﷺ اور جذبہ جہاد سے حاصل ہوتی ہے ۔

حمدِ باری تعالیٰ جلّ جلالہٗ

زمیں پر جبیں یوں رکھے آفتاب کہ جیسے ہو سجدے میں کُل کائنات
ہو مشرق کہ مغرب شفقِ جانماز عبادت میں مصروف ہو آفتاب
بدلتے رہیں یوں یہ لیل و نہار شب و روز اللہ کے التفات
یہ شمس و قمر آسماں کے چراغ منوّر مکمّل نظامِ حیات
یہ تخلیق مخلوق سب شاہکار کہ قدرت کا ہر راز ہے لاجواب
حرم جب سے قائم زمیں پر حیات کہ احرام باندھے پھرے کائنات
دعاؤں میں ہو میرؔ جب انکسار تو آسان ہو آخرت کا حساب

(ولایت علی میر)

نعتِ رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سلام اے آمنہ کی گود میں قرآن کے پارے
سلام اے آدم و حوا کے ارمانوں کے گہوارے
دعائے قلبِ ابراہیم، جانِ عیسیٰ و موسیٰ
سلام اے اولیا و انبیا کی آنکھ کے تارے
سلام اے نورِ یزداں کے مجازِ ظاہر و باطن
سلام اے عشق کے قلزم، سلام اے حُسن کے دھارے
تری ہستی نے بخشی، نبض دوراں کو توانائی
سلام اے کاروانِ آدمیت کے جگر پارے
یتیموں اور بیواؤں کی آہیں رنگ لے آئیں
سلام اے خشک ہونٹوں کے لیے کوثر کے فوارے
نظر میں جلوۂ جاناں لیے ہے اختر کمتر
وہ نعلینِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر فدا ہوتے ہیں مہ پارے

(اختر حسین اختر)

ملفوظاتِ صدرِ مؤسس انجمن خُدّامُ القرآن، کراچی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دعوت و تبلیغ کی غایتِ اولیٰ

مدنی دَور میں اس بات کو مزید واضح کر دیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ چونکہ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں لہذا دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ اظہارِ دینِ حق اور غلبۂ دینِ متین بھی نہ صرف آپ ﷺ کے فرائضِ رسالت میں شامل ہیں، بلکہ آپ ﷺ کی بعثت کی غایتِ اولیٰ ہے۔ چونکہ تاقیامِ قیامت کوئی اور رسول یا نبی آنے والا نہیں، لہذا بنی نوعِ انسان پر اتمامِ حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی آخری کتاب اور مکمل ہدایت نامے قرآن مجید کی حفاظت کا خود ذمہ لیا وہاں یہ بھی ضروری قرار دیا کہ دینِ حق بتمام و کمال قائم بھی ہو، تاکہ انسان کے لیے کوئی عذر پیش کرنے کا موقع باقی نہ رہے۔ یہ مضمون مدنی دَور کی تین سورتوں، سورۃ التوبہ (آیت: ۳۳)، سورۃ الفتح (آیت: ۲۸) اور سورۃ الصف (آیت: ۹) میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الھدیٰ (قرآن حکیم) اور دینِ حق (اسلام) دے کر تاکہ وہ اِس (ہدایت اور دین حق) کو پورے کے پورے دین (نظامِ حیات) پر غالب کر دے۔"

(نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں)

اقتباس نگرانِ انجمن خُدّامُ القُرآن، کراچی

شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ

قومی اتحاد اور اسلام

آج دنیا میں جتنے بھی مسلم ممالک ہیں اُن میں سے کوئی نسل کی بنیاد پر کھڑا ہے، کوئی ثقافت اور تہذیب کی بنیاد پر، کوئی خطہ اور جغرافیہ کی بنیاد پر لیکن پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر بنا ہے۔ پاکستان میں مختلف خطوں، برادریوں، نسلوں، قوموں، ثقافتوں اور تہذیبوں کے لوگ رہتے ہیں۔ ہم سب کو جوڑ کر ایک قوم بنانے والا واحد عنصر اسلام ہے۔ اس لیے ہماری بقا اور سلامتی اسلام میں مضمر ہے۔ ہمارے تمام مسائل کا حل اسلام کے نفاذ میں ہے۔ اس وقت ہمارے ملک میں جو بھی انتشار اور افتراق ہے، اس کی بہت سی وجوہات بیان کی جا سکتی ہیں، اس میں انتظامی خرابیاں بھی ہیں، گڈ گورننس کی کمی بھی ہے، سیاسی اور اقتصادی بحران بھی ہے مگر سب سے بڑی وجہ دین سے دوری ہے۔ ہم نے اسلام کے نام پر ملک حاصل کیا اور پھر اسلام کے ساتھ بے وفائی کی۔ اب تمام مسائل کا حل اسی میں ہے کہ ہم اپنی اصل کی طرف لوٹیں اور ملک کو حقیقی معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بنائیں۔

(خصوصی پروگرام ''امیر سے ملاقات'' ندائے خلافت شمارہ 33، ستمبر 2026ء)

پیغام قرآن (نویں قسط)

حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ

حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک 1432ھ (مطابق 2011ء) میں قرآن اکیڈمی، ڈیفنس میں نمازِ تراویح کے دوران دورۂ ترجمہ قرآن کا شرف حاصل کیا۔ یہ مبارک سلسلہ نہ صرف سامعین کے قلوب کو منور کر گیا، بلکہ اس کی مکمل ویڈیو ریکارڈنگ بھی کی گئی، جو اب ''پیغامِ قرآن'' کے عنوان سے محفوظ اور دستیاب ہے۔

سورۃ البقرہ

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝60

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنے عصا کو مارو پتھر پر پس پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے اور ہر قبیلے نے اپنا اپنا چشمہ پہچان لیا، کھاؤ اور پیو اللہ تبارک و تعالیٰ کے رزق میں سے اور زمین میں فساد مچاتے ہوئے مت پھرو''۔

صحرائے سینا میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے سایہ کا انتظام بھی کر دیا بادلوں نے آ کر ان پر سایہ کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے من و سلویٰ کی صورت میں خوراک عطا فرمائی۔ اب جب پانی کی ضرورت پیش آئی اور قوم نے پانی مانگا تو اللہ تعالیٰ نے ایک اور نعمت فرما دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو پتھر پر مارو۔ چنانچہ اسی ایک ہی پتھر سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور ہر قبیلے نے اپنا چشمہ پہچان لیا۔ گویا دو عنایات ہوئیں: ایک یہ کہ ایک ہی پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہوئے اور دوسری یہ کہ کسی جھگڑے کی نوبت نہیں آئی، بلکہ ہر قبیلے نے آسانی سے اپنا چشمہ خود طے کر لیا۔

ناشکری کی سزا:

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآىِٕهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝61

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز ایک ہی کھانے پر صبر نہ کریں گے پس آپ اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمارے لیے نکالے زمین کی پیداوار میں سے، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز، موسیٰ نے کہا ارے تم بدلے میں لینا چاہتے ہو وہ کچھ جو کہ گھٹیا ہے اس کے مقابلے میں جو بہتر ہے، پس کسی بھی شہر میں جا کے آباد ہو جاؤ وہاں تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جو تم مانگ رہے ہو، پھر ان پر مسلط کر دی گئی ذلت اور محتاجی اور وہ اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر لوٹے۔ کیونکہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیا کو ناحق قتل کرتے تھے اور ایسا اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے رہے''۔

چونکہ وہ قوم من و سلویٰ کھا کھا کر آرام کی عادی ہو چکی تھی، اس لیے ان سے کہاں یہ مشقت ہو سکتی تھی کہ کاشتکاری کریں اور اپنی پسند کی سبزیاں اور

ترکاریاں خود اگا کر حاصل کریں۔ لہٰذا وہ محنت سے جی چراتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ناشکری کے باعث من و سلویٰ کا سلسلہ بھی بند ہو گیا اور خود محنت کر کے اپنے لیے خوراک پیدا کرنے کے قابل بھی نہ رہے۔

کسی گروہ سے نسبت آخرت میں نجات کے لیے کافی نہیں :

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمہ : ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے، عیسائی اور صابی جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور نیک عمل کیا پس ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے ہاں اور نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔

صابئین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے تھے لیکن بعد میں رفتہ رفتہ ان میں آتش پرستی اور ستارہ پرستی داخل ہو گئی۔ یہاں چار گروہوں کا ذکر ہے : مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں اور صابیوں۔

اس آیت کے بارے میں ہمارے ہاں بعض لوگ رواداری کے تصور میں حد سے آگے بڑھتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں، کیونکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ایمان بالرّسالت کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ چاروں گروہوں کو یہ بشارت دی ہے کہ اگر وہ اللہ پر، یومِ آخرت پر ایمان لے آئیں، اچھا عمل کریں تو ان کے لیے ان کے رب کے ہاں اجر ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

ذہن نشین کر لیجیے کہ اصول کسی ایک آیت یا ایک حدیث سے اخذ نہیں کیے جاتے بلکہ تمام آیات اور احادیث کے ذخیرے کو سامنے رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ یہ کام کہ انسان کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث سے اصول اخذ کرے ان لوگوں کا نہیں ہے جن کی علمی سطح معمولی ہو یا جنھیں علوم قرآن وسنت میں گہرا رسوخ حاصل نہ ہو۔ اگر کوئی شخص کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث کو بنیاد بنا کر اصول قائم کر لے تو وہ باقی نصوص سے متصادم ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں بار بار یہ حقیقت بیان ہوئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ سورۃ النسآء کی آیت نمبر 149 اور 150 میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے، وہ اللہ کی نگاہ میں پکے کافر ہیں۔ لہٰذا ایمان کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماننا شرطِ لازم ہے اور ایسا ممکن نہیں کہ کوئی شخص کسی ایک رسول کو نہ مانے اور پھر بھی دائرۂ اسلام میں شمار ہو۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اپنے زمانے میں جو صابی اپنے نبی کی تعلیمات پر قائم تھے، جو یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا تھے اور جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر کاربند تھے، وہ اپنے وقت میں کامیاب اور صالح مومن تھے۔

یہاں یہود و نصاریٰ کے اس تصور کی نفی کر دی گئی ہے کہ محض کسی گروہ میں شامل ہونا نجات کا ذریعہ ہے۔ نجات کا اصل معیار کردار ہے : نیک عمل، اخلاص، اللہ کی رضا اور آخرت کے اجر کی نیت۔ سورۃ البقرہ میں آگے یہ حقیقت مزید واضح کی گئی ہے کہ جو لوگ دکھاوا کرتے ہیں، نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی آخرت پر، وہ کسی گروہ میں شامل ہو کر نجات نہیں پا سکتے۔ نجات صرف انہیں ملے گی جو اخلاص کے ساتھ نیک عمل کریں اور اللہ کی رضا کے طالب ہوں۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خوشخبری عطا فرمائی ہے۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی :

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ : ''اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور کوہِ طور کو تمہارے اوپر بلند کر دیا پس مضبوطی سے پکڑ لو جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اور اس پر پورے جذبے کے ساتھ عمل کرو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچ سکو''۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 63 میں اللہ تبارک و تعالیٰ بنی اسرائیل سے لیے گئے ایک عہد کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اسی سورۃ مبارکہ کے رکوع نمبر 10 میں فرمایا گیا : اے یعقوب کے بیٹو! یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور طور پہاڑ کو تمہارے اوپر بلند کر دیا۔ (یہ پہاڑ کس طرح بلند ہوا اس کی تفصیل سورۃ الاعراف

میں آئے گی۔)اس وقت کیفیت یہ تھی کہ طور پہاڑان کے اوپر معلق تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ابھی ان پر گر پڑے گا، اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا۔ اس عہد میں مختلف شقوں کی تفصیل اسی سورۃ مبارکہ کے دسویں رکوع آیت نمبر 83 میں بیان کی گئی ہے۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: ''پھر اس کے بعد تم اس عہد سے پھر گئے (تم نے عہد کو نہیں نبھایا) پس اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر شامل حال نہ ہوتی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتے''۔

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: ''اور تم اچھی طرح سے جانتے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے ہفتے کے دن حد سے تجاوز کی تھی تو ہم نے ان سے کہا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل ہو کر''۔

اللہ تعالیٰ نے یہود کے لیے ہفتے کا دن عبادت کے لیے مقرر فرمایا تھا، لیکن وہ اس دن حیلے اور بہانوں کے ذریعے دنیا داری میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل ان شاء اللہ سورۃ الاعراف کے رکوع نمبر 21 میں بیان کی جائے گی۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: ''پس ہم نے اس واقعے کو ان لوگوں کے لیے عبرت بنایا جو اس وقت موجود تھے اور ان کے لیے بھی جو بعد میں آنے والے تھے اور ہم نے اسے متقیوں کے لیے نصیحت قرار دیا''۔

اب اس کے بعد سورۃ البقرہ میں ایک اہم واقعہ ذکر کیا گیا جس کی بنیاد پر اس پوری سورت کا نام بھی ہے 'البقرہ' رکھا گیا۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: ''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ذبح کرو ایک گائے۔ تو انہوں نے پلٹ کر پوچھا! کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں، (''are you serious'' کیا واقعی اللہ نے حکم دیا ہے کہ ہم گائے ذبح کریں)، موسیٰ نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں ہو جاؤں نادانوں میں سے''۔

اس واقعہ کا پس منظر یہ تھا کہ ایک شخص کو کسی نے قتل کر دیا اور کوئی بھی اقبال جرم کرنے کو تیار نہ تھا اور اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ قاتل کی نشاندہی ہو جائے، اس لیے حکم دیا کہ گائے کو ذبح کر دو۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ فوراً حکم بجا لاتے اور گائے ذبح کرتے، انہوں نے سوالات شروع کر دیے۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ! کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں ہو جاؤں نادانوں میں سے، یعنی یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے حکم کو مذاق کے طور پر پیش کروں۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: ''تو انہوں نے کہا اے موسیٰ! آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ وہ گائے کیسی ہے، موسیٰ نے جواب دیا کہ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہے جو نہ بوڑھی ہے اور نہ ہی بن بیاہی (یعنی بچھیا ہے) وہ ان دونوں کے درمیان کم عمر کی ہے پس کر گزرو جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے''۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: ''انہوں نے کہا اے موسیٰ! آپ ہمارے لیے اپنے رب سے پوچھیے کہ وہ ہمارے لیے واضح کر دے کہ اس کا رنگ کیسا ہے۔ موسیٰ نے جواب دیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہے جس کا رنگ تیز ہے جو دیکھنے والے کو بہت متاثر کرتی ہے''۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَ اِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: ''انہوں نے کہا اے موسیٰ! آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ وہ گائے کیسی ہے، بے شک اس گائے نے

ہمیں شبہ میں ڈال دیا ہے (یعنی ہمیں سمجھ نہیں آ رہا کہ مطلوبہ گائے کون سی ہے) اور بے شک اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یقیناً ہم ہدایت پر آجائیں گے''۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

ترجمہ: ''موسیٰ نے جواب دیا کہ بے شک اللہ فرماتا ہے وہ ایسی گائے ہے کہ جسے زمین میں ہل چلانے کے لیے نہیں جوتا جاتا اور نہ ہی کھیتی کو پانی دینے کے لیے اسے استعمال کیا جاتا ہے، (یعنی وہ گائے بڑی مقدس ہے، جس سے کوئی محنت و مشقت والا کام نہیں لیا جاتا۔) وہ گائے بالکل صحیح سالم ہے اور اس میں کوئی داغ یا نقص نہیں ہے، تو انہوں نے کہا اے موسیٰ! اب آپ واقعی حق بات لے آئے ہیں (اب آپ نے واضح طور پر بتا دیا کہ مطلوبہ گائے کیسی ہے) چنانچہ انہوں نے اس گائے کو ذبح کر دیا حالانکہ وہ ایسا کرنے کے لیے آمادہ دکھائی نہیں دیتے تھے''۔

اس واقعے سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ جب بھی اللہ کا حکم آئے تو ہمیں فوراً اس پر عمل کرنا چاہیے اور بلاوجہ سوالات نہیں کرنے چاہییں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے احکام کے بارے میں لوگوں کی چوں وچرا اور حیل و حجت پسند نہیں ہے۔ اس لیے اس واقعے کو اتنی اہمیت دی کہ پوری سورت کا نام 'البقرہ' یعنی 'گائے' رکھا گیا۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے گائے کی خوبیاں یا صفات بیان کی ہیں یا اس کی تفصیلات دی ہیں، بلکہ محض ایک واقعے کی وجہ سے اس سورت کو یہ نام دیا گیا ہے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب تم نے ایک انسان کو قتل کر دیا اور تم اس کا الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا تھا وہ بات جو تم چھپا رہے تھے''۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ: ''پس ہم نے کہا کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا اس میت کو مارو، اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا، (گائے کا ایک ٹکڑا جیسے ہی اس کو مارا گیا اس مقتول نے زندہ ہو کر اس بات کی نشاندہی کی کہ میرا قاتل کون ہے۔) اور اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو''۔

منکرین حدیث معجزات کے حوالے سے عجیب و غریب قسم کی تاویلات پیش کرتے ہیں مثال کے طور پر غلام احمد پرویز نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ لوگ آج تک اس آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکے۔ انہوں نے یہ توجیہ پیش کی ہے کہ پرانے زمانے میں جب کوئی شخص چوری کرتا اور اقبال جرم نہیں کرتا تو لوگ ایک ایسے آدمی کو بلاتے تھے جو 'لوٹا پھرانے' میں مشہور ہوتا۔ وہ لوگوں سے کہتا کہ اس لوٹے کو ہاتھ لگاؤ، اور جو شخص چور ہوتا اس کے ہاتھ لگانے سے لوٹا گھوم جاتا، پھر وہ دیکھتا کہ کون کس طرح لوٹے کو ڈرتے ڈرتے ہاتھ لگاتا ہے اور اسی بنیاد پر وہ اس چور کو پکڑ لیتا تھا کہ یہ چور ہے، کیونکہ اس نے گبراہٹ کے ساتھ لوٹے کو ہاتھ لگایا ہے۔ پرویز کا خیال یہ ہے کہ اسی طرح کا واقعہ ہوا کہ کوئی بڑا ماہر شخص میت کے پاس بیٹھا اور جن لوگوں پر شک تھا انہیں بلایا گیا اور انہوں نے آکر میت کو ہاتھ لگایا اور اس ماہر شخص نے پہچان لیا کہ ان میں سے قاتل وہی ہے جس نے کانپتے ہاتھوں سے میت کو مارا۔

اب ذرا اس تاویل اور قرآن مجید کی آیات پر غور کیجیے کہ اس تاویل میں مردہ زندہ ہوا ہی نہیں، حالانکہ قرآن مجید صاف کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور دوسری بات یہ کہ قرآن اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی آیات، اپنے معجزات اور اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، مگر پرویز کی تاویل میں اللہ تعالیٰ کا وہ معجزہ ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ کمال تو اس شخص کا ہوا کہ جس نے ہاتھ مارنے کے انداز سے قاتل کو پہچان لیا۔

یہ عجیب و غریب تاویلات اور محض گوشہ گوئیاں ہیں جو اس قسم کے لوگ قرآن کی تفسیر میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انکار حدیث کے اور نام نہاد روشن خیالی کے فتنے سے محفوظ فرمائے۔

(جاری ہے۔۔۔)

ترکہ اور وراثت، ایک بھولا ہوا فریضہ

محمد ارشد
استاذ قرآن اکیڈمی یاسین آباد

دینِ اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں مکمل رہنمائی دی ہے، لیکن وراثت کا معاملہ اپنی نوعیت میں منفرد ہے۔ قرآن مجید میں نماز کی رکعتیں، روزے کے تفصیلی احکام یا حج کے مکمل مناسک براہِ راست بیان نہیں ہوئے ان کی تفصیل احادیثِ نبویہ نے دی۔ مگر میراث کی تقسیم کے حصے اللہ تعالیٰ نے خود، بغیر کسی واسطے کے، قرآن میں متعین فرما دیے۔ اس کے باوجود ہمارے معاشرے میں یہ وہ موضوع ہے جس پر سب سے کم بات ہوتی ہے اور عملاً جس میں سب سے زیادہ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں پانچ پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے: قرآن کریم میں احکامِ وراثت کی اہمیت، وصیت کا شرعی مقام اور اس کی حدود، وراثت میں خواتین کے حقوق کا المیہ اور اس کی روزمرہ صورتیں، احکامِ وراثت سے غفلت کے نتائج اور بالآخر اس معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسوہ۔

قرآن کریم میں احکامِ وراثت کی اہمیت:

سب سے پہلے قابلِ غور بات یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو وارث نہیں بنایا جاتا تھا، صرف طاقتور مرد ہی وراثت کے حقدار سمجھے جاتے تھے، کیونکہ وہی جنگ لڑتے اور مال کماتے تھے۔ اسلام نے اس ظالمانہ رسم کا خاتمہ کرتے ہوئے واضح اعلان فرمایا:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا [النسآء: 7]

ترجمہ: ''مردوں کے لیے اس مال میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ یہ ایک مقرر کردہ حصہ ہے۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نہایت تفصیل سے حصے بیان فرمائے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا [النسآء: 11]

ترجمہ: ''اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ اگر صرف بیٹیاں ہوں، دو سے زیادہ، تو ان کے لیے ترکے کا دو تہائی ہے اور اگر ایک ہی بیٹی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے۔ میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اگر اولاد ہو، ورنہ ماں کے لیے تیسرا حصہ اور بھائی بہن ہونے کی صورت میں ماں کے لیے چھٹا حصہ، یہ سب وصیت یا قرض کی ادائیگی کے بعد۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جذبات، پسند و ناپسند اور رشتوں کی محبت سے بالاتر ہو کر خود یہ حصے مقرر فرمائے اور واضح فرمایا کہ انسان خود نہیں جانتا کہ اس کے لیے کون زیادہ نفع بخش ہے۔ اس کے فوراً بعد جو الفاظ آتے ہیں وہ توجہ طلب ہیں:

یہی وہ آیات ہیں جو اس مضمون کے آغاز میں بطور تمہید درج کی گئیں جن میں اطاعت کرنے والے کے لیے دائمی جنت کی بشارت اور حدود سے

تجاوز کرنے والے کے لیے دائمی جہنم کی وعید سنائی گئی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ سخت وعید نماز یا روزے کے ترک پر نہیں بلکہ وراثت کی تقسیم کے احکام کے فوراً بعد آئی۔ مفسرین اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز اور روزے میں انسان کا معاملہ اپنے نفس اور اللہ کے درمیان ہوتا ہے، جب کہ وراثت کی تقسیم میں انسان کے سامنے مال، لالچ اور کمزور افراد یتیم، بیوہ، بیٹیاں ہوتے ہیں، جنھیں دبانا آسان ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ خود اپنے ہاتھ میں لے لیا تاکہ کسی کی خواہش، دباؤ یا رواج اسے بگاڑ نہ سکے۔

وصیت کا شرعی مقام اور اس کی حدود:

وصیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں طے کر جائے کہ اس کے انتقال کے بعد اس کے مال کے کسی حصے کے ساتھ کیا کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے وصیت لکھنے کی سخت تاکید فرمائی:

مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ (مفتق علیہ)

ترجمہ: ''کسی مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس وصیت کے قابل کوئی چیز ہو اور وہ دو راتیں بھی اس حال میں گزارے کہ اس کی وصیت اس کے پاس تحریری صورت میں موجود نہ ہو۔''

آج کے دور میں، جب کاروبار، بینک اکاؤنٹس اور جائیدادیں پیچیدہ ہو چکی ہیں، اس حدیث کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ تحریری وضاحت کے بغیر خاندان برسوں مقدمہ بازی میں الجھ جاتے ہیں۔ تاہم ایک نہایت اہم اصول سمجھنا ضروری ہے جسے اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے: وصیت اور میراث ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ وصیت صرف مال کے ایک تہائی حصے تک محدود ہے اور صرف اس شخص کے حق میں کی جا سکتی ہے جو وارث نہ ہو۔ یہ اصول نبی کریم ﷺ نے اس وقت بیان فرمایا جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر شدید بیماری کی حالت میں دریافت کیا:

قُلْتُ: بِالشَّطْرِ؟ قَالَ: لَا. قُلْتُ: الثُّلُثُ؟ قَالَ: الثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ (مفتق علیہ)

ترجمہ: ''میں نے عرض کی: آدھا مال صدقہ کر دوں؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: تہائی؟ فرمایا: تہائی بھی زیادہ ہے، تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں''۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے یہ اصول بھی حتمی طور پر طے فرما دیا:

إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ(سنن الترمذی)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں''۔ گویا جن لوگوں کے حصے اللہ نے خود قرآن میں مقرر کر دیے، انہیں وصیت کے ذریعے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ افسوس کہ ہمارے معاشرے میں اکثر لوگ وصیت کے نام پر بیٹیوں یا بیوہ کو حصے سے محروم کر کے سب کچھ بیٹوں کے نام کر جاتے ہیں، جو سراسر ظلم اور نبی کریم ﷺ کے واضح فرمان کی خلاف ورزی ہے۔ خلاصہ یہ کہ وصیت ایک تہائی مال تک، غیر وارث کے لیے جائز اور مسنون ہے، لیکن اسے وراثت کے حصوں کو بدلنے کا ذریعہ بنانا حرام ہے۔

وراثت میں خواتین کے حقوق کا المیہ:

اس موضوع کا سب سے دردناک پہلو خواتین کے ساتھ روا رکھی جانے والی زیادتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عورت کو میراث میں کچھ نہیں ملتا تھا، بلکہ خود عورت کو بھی ترکے کے سامان کی طرح تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس ظلم کے خاتمے کا واقعہ نہایت اہم ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ احد میں حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے بیوہ اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ ان کے بھائی نے پورا ترکہ اپنے قبضے میں لے لیا اور بیوہ و بیٹیوں کو کچھ نہ دیا۔ سعد رضی اللہ عنہ کی بیوہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

يَا رَسُولَ اللهِ، هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدٍ، قُتِلَ مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ جَمِيعَ مَا تَرَكَ أَبُوهُمَا، وَإِنَّ الْمَرْأَةَ لَا تُنْكَحُ إِلَّا عَلَى مَالِهَا(سنن ابن ماجہ)

ترجمہ : ''یارسول اللہ! یہ سعد کی دو بیٹیاں ہیں، ان کے والد احد کے دن آپ کے ساتھ شہید ہوئے اور ان کے چچا نے سارا ترکہ لے لیا ہے، حالانکہ عورت کا نکاح اسی کے مال ہی سے ہوتا ہے''۔ نبی کریم ﷺ اس وقت خاموش رہے یہاں تک کہ آیاتِ میراث نازل ہوئیں اور آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو ان کے والد کے مال کا دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دیا جائے۔ یہی وہ عملی واقعہ ہے جس کے بعد آیاتِ میراث کا نفاذ ہوا اور عورت کو ایک متعین، ناقابلِ تبدیل حصہ ملا، چودہ سو سال قبل عورت کو معاشی خودمختاری دینے کا یہ آغاز تھا۔

اس کے باوجود افسوس کا مقام یہ ہے کہ آج وہی معاشرہ جو اسلام کے نام پر قائم ہے، اسی اسلام کے دیے ہوئے حق کو سب سے زیادہ پامال کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس ظلم پر سخت وعید سنائی :

مَنْ قَطَعَ مِيرَاثَ وَارِثِهِ، قَطَعَ اللهُ مِيرَاثَهُ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(سنن ابن ماجہ)

ترجمہ : ''جو شخص اپنے وارث کا حصہ کاٹے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا حصہ جنت سے کاٹ دے گا''۔ دنیا کے چند مرلے زمین کے بدلے جنت کا حصہ گنوانا کتنا بڑا خسارہ ہے۔ نیز جو 'معافی' دباؤ میں، رشتوں کے خوف میں یا لاعلمی میں لی جائے، وہ شرعاً معاف کرنا نہیں کہلاتی، حصہ معاف کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عورت کو پورا علم ہو کہ اس کا حصہ کتنا بنتا ہے اور وہ اپنی خوشی و رضا سے، بغیر کسی دباؤ کے، وہ حصہ چھوڑے۔

یہ ظلم عملاً کیسے ہوتا ہے؟ روزمرہ زندگی کی چند مثالیں :

محض نظریاتی بات سے یہ مسئلہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ ذیل میں چند ایسی صورتیں بیان کی جاتی ہیں جو ہمارے گھروں میں عام طور پر پیش آتی ہیں :

1۔ زرعی زمین کا انتقال صرف بیٹوں کے نام :

گاؤں میں باپ کے انتقال کے بعد زمین کے کاغذات میں انتقال کروایا جاتا ہے تو خاندان کے بزرگ خود ہی طے کر لیتے ہیں کہ 'زمین تو بیٹوں ہی کی ہوتی ہے' اور بہنوں کا نام آبادکاری کے ریکارڈ میں سرے سے شامل ہی نہیں کیا جاتا۔

2۔ جہیز کو حصے کے بدلے میں شمار کرنا :

شادی کے وقت دیا گیا جہیز بعد میں میراث کے بدلے پیش کر دیا جاتا ہے : 'ہم نے تمہیں شادی میں اتنا کچھ دے دیا تھا، اب حصہ کس بات کا؟' حالانکہ جہیز محض تحفہ ہے، وہ شرعی حصے کا نعم البدل نہیں بن سکتا۔

3۔ 'رشتہ خراب ہو جائے گا' کا خوف دلانا :

جب بہن اپنا حصہ مانگنے کی بات کرے تو فوراً جذباتی دباؤ ڈالا جاتا ہے : 'حصہ مانگ لیا تو بھائیوں سے تعلق ختم سمجھو'، یوں رشتوں کے ٹوٹنے کے خوف میں مبتلا کر کے عورت کو خاموش کرا دیا جاتا ہے۔

4۔ کاغذات پر جلدی میں دستخط کروانا :

کسی وکیل یا نوٹری کے دفتر لے جا کر کہا جاتا ہے 'بس یہاں دستخط کر دو، رسمی کارروائی ہے' اور عورت کو یہ سمجھنے کا موقع تک نہیں دیا جاتا کہ وہ دراصل اپنے حصے سے دستبرداری کا حلف نامہ ہے۔

5۔ بیوہ کو گھر سے بے دخل کرنا :

شوہر کے انتقال کے بعد سسرال والے یہ کہہ کر گھر خالی کروا لیتے ہیں کہ 'یہ گھر اب بیٹوں کا ہے'، حالانکہ بیوہ کا شوہر کے ترکے میں شرعی حصہ موجود ہے اور وہ اس گھر کی جزوی مالک ہے، کرایہ دار نہیں۔

6۔ کاروبار اور دکان میں بیٹی کا نام شامل نہ کرنا :

والد کے کاروبار کی ملکیت کے کاغذات بناتے وقت شروع ہی سے صرف بیٹوں کے نام لکھوائے جاتے ہیں، اس دلیل کے ساتھ کہ 'کاروبار عورتیں نہیں سنبھالتیں'، حالانکہ شرعی حصہ صلاحیت سے مشروط نہیں بلکہ رشتے کی بنیاد پر مقرر کردہ حق ہے۔

7۔ جان بوجھ کر تقسیم میں تاخیر کرنا:

ترکے کا قبضہ رکھنے والا فریق برسوں تک 'ابھی وقت نہیں ملا' کہہ کر تقسیم ٹالتا رہتا ہے، اس امید پر کہ بہن مطالبہ کرتے کرتے تھک جائے گی یا معاملہ خود بخود دب جائے گا۔

8۔ نقد رقم دے کر اصل جائیداد سے محروم کرنا:

جائیداد کی مالیت کروڑوں میں ہوتی ہے، لیکن بہن کو راضی کرنے کے لیے اس کے حقیقی حصے سے کہیں کم رقم تھما کر کہا جاتا ہے 'یہ لو، اب کوئی حق نہیں مانگنا'۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں، ہر گھرانے میں اس ظلم کی کوئی نہ کوئی شکل موجود ہو سکتی ہے۔ چاہے کاغذی چالاکی ہو، جذباتی دباؤ ہو یا محض خاموشی اور تاخیر، نتیجہ ایک ہی ہے: ایک ایسے حق کا چھن جانا جو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مقرر فرمایا۔

احکامِ وراثت سے غفلت کے نتائج:

ہمارے معاشرے میں ایک عجیب تضاد نظر آتا ہے۔ لوگ نماز کے مسئلے پر عالم سے فتویٰ لیتے ہیں، روزے کے مسئلے میں احتیاط کرتے ہیں، لیکن باپ کے انتقال کے بعد ترکہ برسوں تقسیم ہی نہیں ہوتا۔ کبھی 'ابھی بھائیوں میں بات نہیں ہوئی' کہہ کر، کبھی 'کاغذی کارروائی مشکل ہے' کہہ کر اور اکثر جان بوجھ کر تاخیر کی جاتی ہے تاکہ حق دار اپنا حصہ نہ مانگ سکیں۔

یاد رہے، جس دن انتقال ہوتا ہے، اسی دن سے ترکہ تمام وارثوں کی مشترکہ ملکیت بن جاتا ہے، یہ کسی ایک شخص کی اکیلے ملکیت نہیں رہتا۔ جب تک تقسیم نہ ہو، ہر وارث اس میں اپنے حصے کا حقیقی مالک ہے اور اس مال کو بلا اجازت استعمال کرنا دوسروں کا حق کھانے کے مترادف ہے۔ علمِ فرائض یعنی وراثت کی تقسیم کا علم امتِ مسلمہ میں اتنا اہم سمجھا جاتا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے خود اس کی تعلیم دینے کی تاکید فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا النَّاسَ، فَإِنَّهَا نِصْفُ الْعِلْمِ، وَهُوَ يُنْسَى، وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ يُنْزَعُ مِنْ أُمَّتِي (سنن ابن ماجه، سنن الدارقطنی)

ترجمہ: ''علم فرائض سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ، کیونکہ یہ آدھا علم ہے اور یہ بھلا دیا جانے والا ہے اور یہ وہ پہلی چیز ہے جو میری امت سے چھین لی جائے گی''۔ اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے:

تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا النَّاسَ، تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ، فَإِنِّي امْرُؤٌ مَقْبُوضٌ، وَالْعِلْمُ سَيُنْقَصُ، وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ، حَتَّى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِي فَرِيضَةٍ لَا يَجِدَانِ أَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا (سنن الدارمی: 227، مستدرک الحاکم)

ترجمہ: ''فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ میں دنیا سے اٹھایا جانے والا ہوں اور علم کم ہوتا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے، یہاں تک کہ دو آدمی کسی مسئلہ میراث میں اختلاف کریں گے اور انہیں کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو ان کے درمیان فیصلہ کر سکے''۔ آج ہم اسی پیشگوئی کی عملی تصویر دیکھ رہے ہیں، علمِ فرائض کے ماہر عالم ملنا مشکل اور عام مسلمان کو یہ تک معلوم نہیں کہ بیٹی یا بیوہ کا حصہ کیا بنتا ہے۔

اسوۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

حضرت فاطمہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کا واقعہ:

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کی میراث کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے، باوجود

اس کے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر تھیں، صاف صاف وہی جواب دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان تھا کہ انبیا کا مال صدقہ ہوتا ہے، تقسیم نہیں ہوتا۔ اس واقعے سے سبق ملتا ہے کہ حق دار کو اپنا حصہ معلوم کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیے اور فیصلہ کرنے والے کو رشتے یا مقام دیکھ کر نہیں بلکہ صرف حکمِ شرعی دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ترکے کی تقسیم میں سختی سے احکامِ الٰہی کی پابندی کرواتے اور گورنروں کو تاکید فرماتے کہ وراثت کے معاملات جلد اور انصاف سے نمٹائے جائیں تاکہ خاندانوں میں جھگڑے جنم نہ لیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ — امامِ فرائض:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور پر علمِ فرائض کی تعلیم دی اور وہ اس امت کے سب سے بڑے فرائض کے امام مانے جاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس علم کو نہایت سنجیدگی سے محفوظ کیا اور آنے والی نسلوں تک پہنچایا اور آج تک علمِ فرائض کی بنیاد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ پر قائم ہے۔

تاخیر سے اجتناب اور خواتین کا حق مانگنا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ترکے کی تقسیم میں تاخیر کو معیوب سمجھا جاتا تھا، کیونکہ تاخیر میں فتنے اور جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ جیسا کہ سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی بیوہ کے واقعے میں گزرا، صحابیات خود آگے بڑھ کر اپنا اور اپنی بیٹیوں کا حق مانگتیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بات نہ صرف سنی بلکہ اس پر باقاعدہ فیصلہ صادر فرمایا۔ گویا عورت کا اپنا حق مانگنا نہ صرف جائز بلکہ شریعت کی رو سے قابلِ تحسین عمل ہے اور جو معاشرہ عورت کو حق مانگنے پر شرمندہ کرے، وہ دراصل نبوی طرزِ عمل کے خلاف چل رہا ہے۔

خلاصہ کلام:

مندرجہ بالا گزارشات کا خلاصہ درج ذیل نکات کی صورت میں پیش ہے:

۱۔ وراثت کی تقسیم محض ایک قانونی یا خاندانی معاملہ نہیں بلکہ ایک عبادت اور دینی فریضہ ہے، جس پر جنت اور جہنم کی وعید آئی ہے۔

۲۔ وصیت ایک تہائی مال تک، غیرِ وارث کے لیے جائز اور مسنون ہے، لیکن اسے وراثت کے حصوں کو بدلنے کا ذریعہ بنانا حرام ہے، کیونکہ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ۔

۳۔ بیٹیوں، بیویوں اور بہنوں کا حصہ اللہ کا مقرر کردہ حق ہے، نہ کہ خاندان کا احسان۔ دباؤ میں لی گئی 'معافی' شرعاً معافی نہیں۔

۴۔ ترکے کی تقسیم میں تاخیر اور لاپرواہی دوسروں کا حق کھانے کے مترادف ہے اور علمِ فرائض سیکھنا اور سکھانا امت پر لازم ہے۔

۵۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیں یہ سکھایا کہ حق مانگنا شرمندگی نہیں اور حق دینے میں رشتے کی رعایت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مال میں، اپنی اولاد کے حقوق میں اور خاص طور پر اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے حقوق کی ادائیگی میں انصاف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دوستی، صحبت اور ماحول کا اثر

فاروق احمد

استاذ قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

نوجوانی کی زندگی میں دوستی محض ایک سماجی ضرورت نہیں، بلکہ شخصیت سازی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ انسان جن لوگوں کے ساتھ وقت گزارتا ہے، ان کی باتیں سنتا ہے، ان کے ساتھ ہنستا بولتا ہے، ان سے مشورہ لیتا ہے اور جن کی طرف دل سے مائل ہوتا ہے، آہستہ آہستہ ان کے رنگ سے متاثر ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ایک نوجوان کی شخصیت پر اس کے استاد، نصاب یا گھر سے زیادہ اثر اس کی صحبت کا ہوتا ہے۔ وہ کیا سوچے گا، کس چیز کو اہم سمجھے گا، کن کاموں کو معمولی جانے گا، کس طرف جھکے گا اور کن حدود کو توڑے گا، ان سب پر اس کے ماحول اور دوستوں کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ اسی لیے صحبت کا مسئلہ اسلامی تربیت میں بہت بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

بہت سے نوجوان دوستی کو صرف جذبات، مزاج کی موافقت یا وقتی سہولت کے پیمانے پر دیکھتے ہیں۔ جو ساتھ ہنس لے، وقت گزار لے، بوریت دور کردے یا مشکل وقت میں ساتھ کھڑا ہو جائے، اسے اچھا دوست سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقی دوستی اس سے کہیں زیادہ گہرا معاملہ ہے۔ اصل سوال یہ نہیں کہ کون انسان کے ساتھ زیادہ وقت گزارتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ کونسا شخص اسے اللہ کے قریب کرتا ہے، کون اس کے اخلاق کو بہتر بناتا ہے، کون اس کے اندر حیا، سنجیدگی، مقصدیت اور خیر خواہی پیدا کرتا ہے اور کون اس کے دین اور شخصیت کو آہستہ آہستہ کمزور کر رہا ہے۔ بہت سے تعلقات ابتدا میں خوشگوار محسوس ہوتے ہیں، مگر بعد میں وہ انسان کے دین، وقت، زبان، مزاج اور ترجیحات کو خراب کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے دوستی کا انتخاب محض دل کی کشش سے نہیں، شعور سے ہونا چاہیے۔

نبی کریم ﷺ نے یہ حقیقت بہت سادہ مگر نہایت گہرے انداز میں بیان فرمائی کہ انسان اپنے دوست کے دین اور طریقے پر ہوتا ہے، اس لیے ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ یہ حدیث دراصل صحبت کے پورے فلسفے کو ایک جملے میں بیان کر دیتی ہے۔ انسان ہمیشہ اپنے دوست کی نقل شعوری طور پر نہیں کرتا، مگر اس کے انداز، عادتیں، ترجیحات، مذاق، ردِ عمل، زبان اور سوچ آہستہ آہستہ اس میں منتقل ہونے لگتے ہیں۔ ابتدا میں یہ اثر معمولی محسوس ہوتا ہے، مگر وقت کے ساتھ یہی چیز انسان کی شناخت کا حصہ بن جاتی ہے۔ اسی لیے برے دوست کا نقصان فوراً نہیں، مگر بہت گہرا ہوتا ہے اور اچھے دوست کا فائدہ بھی ہمیشہ شور کے ساتھ نہیں، مگر بہت پائیدار ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے اس بات کی طرف رہنمائی کی کہ انسان اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ وابستہ رکھے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ اس آیت میں صحبت کے انتخاب کا ایک بہت اعلیٰ معیار دیا گیا ہے۔ یعنی انسان کا دل اور وقت ان لوگوں کے ساتھ زیادہ رہنا چاہیے جو اللہ کی یاد، اخلاص اور سنجیدگی کی طرف لے جائیں۔ ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ کی گئی کہ دنیا کی ظاہری چمک دمک کے باعث اپنی نگاہ ان لوگوں سے نہ پھیرے جو حق اور خیر پر قائم ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحبت کے انتخاب میں صرف ظاہری کامیابی، شہرت، فیشن یا دنیاوی کشش معیار نہیں ہونی چاہیے۔ انسان کو یہ دیکھنا چاہیے کہ جس کے ساتھ میں بیٹھ رہا ہوں، اس کے پاس بیٹھ کر میرے دل پر کیا اثر پڑتا ہے۔

قرآن ہی نے یہ بھی بتایا کہ قیامت کے دن بہت سی دوستیاں دشمنی میں بدل جائیں گی، سوائے ان دوستیوں کے جو تقویٰ پر قائم ہوں گی۔ یہ آیت

نوجوان کو چونکا دینے کے لیے کافی ہے۔ دنیا میں بعض دوستیاں بہت مضبوط، بہت بے تکلف اور بہت پُر کشش معلوم ہوتی ہیں، مگر اگر ان کی بنیاد گناہ، غفلت، خود نمائی، مفاد یا محض نفسانی لذت پر ہو، تو وہ دائمی رفاقت نہیں بنتیں۔ بلکہ قیامت کے دن وہی لوگ ایک دوسرے پر الزام ڈالیں گے کہ مجھے تو تم نے بہکایا تھا۔ اس کے برعکس وہ دوستی جو خیر، نصیحت، دعا، حیا اور اللہ کی رضا کے لیے ہو، وہی باقی رہنے والی دوستی ہے۔ اس لیے نوجوان کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کی دوستی وقتی جوش پر قائم ہے یا دائمی خیر پر۔

صحبت کا اثر صرف دینی اعمال تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ پوری شخصیت پر پڑتا ہے۔ اگر دوستوں کی مجلس میں بدزبانی عام ہو، مذاق میں حدیں ٹوٹتی ہوں، نماز ہلکی سمجھی جاتی ہو، وقت کا کوئی نظم نہ ہو، عورتوں یا مردوں کے بارے میں غیر مہذب گفتگو معمول ہو یا زندگی کو محض تفریح اور خواہش کے پیمانے پر دیکھا جاتا ہو، تو یہ سب چیزیں آہستہ آہستہ انسان کے باطن میں اترنے لگتی ہیں۔ پھر بعض اوقات نوجوان خود وہ سب نہیں کرنا چاہتا، مگر "گروپ کا حصہ" بنے رہنے کے لیے خاموش رہتا ہے، پھر تھوڑا ہنس دیتا ہے، پھر کبھی کبھی شامل ہو جاتا ہے اور آخر کار وہی چیز اس کے لیے معمول بن جاتی ہے۔ برائی ہمیشہ زور سے نہیں آتی، بہت مرتبہ وہ دوستی کے پردے میں، لطیف مزاح کے ساتھ یا ساتھ نبھانے کے نام پر دل میں داخل ہوتی ہے۔

اس کے برعکس صالح صحبت انسان کو خاموشی سے بلند کرتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس بیٹھ کر آدمی کے دل میں اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، زبان سنبھلنے لگتی ہے، وقت کی قدر محسوس ہونے لگتی ہے اور زندگی کے بارے میں سنجیدہ سوچ پیدا ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ وعظ نہیں کرتے، مگر ان کا مزاج، ان کی ترجیحات، ان کی گفتگو اور ان کا اخلاق خود ایک دعوت بن جاتا ہے۔ ایسے دوست انسان کو گناہ میں ڈھیل نہیں دیتے، مگر رسوا بھی نہیں کرتے، وہ نصیحت کرتے ہیں، مگر تحقیر کے ساتھ نہیں، وہ انسان کی کمزوری کو جانتے ہیں، مگر اسے کمزوری کے حوالے نہیں کرتے۔ یہی صالح رفاقت ہے اور یہی نوجوانی کی بہت بڑی نعمت ہے۔

یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ دوستی کا مطلب ہر وقت ہم مزاجی نہیں ہوتا۔ بعض نوجوان صرف ان لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں جو ان کی ہر بات مانیں، ہر غلطی پر خاموش رہیں اور ان کے ہر رویے کو قبول کریں۔ حالانکہ سچا دوست وہ نہیں جو صرف ساتھ دے، بلکہ وہ ہے جو صحیح وقت پر روک بھی سکے۔ اگر ایک نوجوان کا دوست اسے گناہ، فضولیات، غلط تعلقات یا زندگی کے بے مقصد بہاؤ میں چھوڑے رکھے، تو وہ خیر خواہ دوست نہیں۔ سچی دوستی میں محبت کے ساتھ اصلاح بھی ہوتی ہے۔ وہاں بے تکلفی ہوتی ہے مگر بے راہ روی نہیں، قربت ہوتی ہے مگر حدود کے ساتھ اور حمایت ہوتی ہے مگر حق کے خلاف نہیں۔

موجودہ دور میں صحبت کا دائرہ صرف جسمانی مجالس تک محدود نہیں رہا۔ اب آن لائن دوستیاں، ڈیجیٹل کمیونٹیز، گیمنگ گروپس، چیٹ حلقے اور سوشل میڈیا کی باقاعدہ رفاقتیں بھی نوجوان کی شخصیت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ بعض نوجوان ان لوگوں سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں جنہیں انہوں نے کبھی سامنے دیکھا بھی نہیں ہوتا۔ وہ کسی انفلوئنسر، کسی آن لائن گروپ یا کسی مستقل ڈیجیٹل مجلس کے رنگ میں رنگنے لگتے ہیں۔ اس لیے صحبت کے باب میں اب یہ سوال بھی شامل ہے کہ انسان کن اکاؤنٹس کو فالو کرتا ہے، کس قسم کے مواد کے درمیان رہتا ہے، کن لوگوں کی گفتگو سنتا ہے اور کس ڈیجیٹل ماحول میں زیادہ وقت گزارتا ہے۔ اگر آن لائن صحبت غفلت، بے حیائی، سطحیت یا نفرت کو بڑھا رہی ہو تو وہ بھی بری صحبت ہی کی ایک شکل ہے، چاہے اس میں جسمانی قربت نہ ہو۔

کبھی کبھی نوجوان ایک غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے کہ "میں برے لوگوں کے ساتھ رہ کر بھی متاثر نہیں ہوں گا"۔ یہ سوچ اکثر حقیقت پسندانہ نہیں ہوتی۔ انسان اپنے بارے میں جتنا مطمئن ہوتا ہے، بعض اوقات اتنا ہی جلدی متاثر بھی ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کے اندر کمزور پہلو ہوتے ہیں اور صحبت انہی دروازوں سے اثر ڈالتی ہے۔ اس لیے احتیاط کمزوری نہیں، بلکہ دانائی ہے۔ یہ درست ہے کہ بعض اوقات انسان کو مختلف مزاجوں اور پس منظر کے لوگوں کے ساتھ رہنا پڑتا ہے، مگر قریبی دوستی اور قلبی وابستگی الگ چیز ہے۔ اسلام انسان کو سب سے کٹ جانے کا نہیں، مگر اپنے باطن کے دروازے ہر ایک پر نہ کھولنے کا سلیقہ ضرور سکھاتا ہے۔

دوستی میں ایک اور بڑی خرابی مفاد پرستی ہے۔ کچھ تعلقات صرف اس وقت تک قائم رہتے ہیں جب تک ان میں فائدہ ہو۔ جیسے ہی فائدہ ختم ہوتا

ہے، قربت بھی ختم ہوجاتی ہے۔ یہ تعلقات وقتی سہارا تو دے سکتے ہیں، مگر شخصیت کی تعمیر نہیں کرتے۔ اسی طرح بعض دوستیاں صرف مشترک غفلت پر قائم ہوتی ہیں، یعنی ساتھ اس لیے ہے کہ مل کر وقت ضائع کیا جا سکے، غلطی کی جا سکے یا زندگی کی ذمہ داریوں سے بھاگا جا سکے۔ ایسی دوستی اگرچہ بہت پُرلطف محسوس ہو سکتی ہے، مگر اس کے نتائج اکثر دیرپا نقصان کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ دوستی جو مشکل وقت میں نصیحت بھی کرے، دعا بھی دے، خامی بھی بتائے اور خیر کے راستے میں ساتھ بھی دے، وہی اصل رفاقت ہے۔

نوجوان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود بھی دوسروں کے لیے اچھا دوست بنے۔ اکثر لوگ اچھے دوست کی تلاش میں رہتے ہیں، مگر خود اچھا دوست بننے پر غور نہیں کرتے۔ کیا وہ رازدار ہے، کیا وہ حسد سے پاک ہے، کیا وہ دوست کی غیر موجودگی میں اس کی عزت کی حفاظت کرتا ہے، کیا وہ غلطی پر محبت سے اصلاح کرتا ہے، کیا وہ دوست کے دین، وقت اور وقار کا خیال رکھتا ہے، کیا اس کی صحبت سے دوسرے کے اندر خیر بڑھتی ہے یا غفلت؟ یہ سوالات صرف دوسروں پر نہیں، اپنے آپ پر بھی لاگو ہوتے ہیں۔ کیونکہ صالح صحبت ہمیشہ دوطرفہ عمل سے بنتی ہے۔

عملی طور پر نوجوان کو چاہیے کہ وہ اپنے دوستوں کے بارے میں چند سوالات خود سے ضرور پوچھے۔ کیا ان کے ساتھ رہ کر میری نماز، زبان، نگاہ اور وقت بہتر ہوتے ہیں یا خراب، کیا ان کے ساتھ رہنے کے بعد میں اللہ کے قریب محسوس کرتا ہوں یا دور، کیا یہ دوست میرے عیب پر مجھے متنبہ کرتا ہے یا صرف میرا مذاق اڑاتا ہے، کیا یہ رفاقت مجھے زندگی میں کوئی سمت دے رہی ہے یا صرف وقتی مشغولیت؟ اگر ان سوالات کے جواب منفی ہوں تو انسان کو اپنے ماحول پر سنجیدگی سے نظر ثانی کرنی چاہیے۔ صحبت بدلنا بعض اوقات زندگی بدلنے کا آغاز ہوتا ہے۔

آخر میں یہ سمجھنا چاہیے کہ نوجوانی میں دوست صرف ساتھ چلنے والے لوگ نہیں ہوتے، بلکہ وہ انسان کے مستقبل کے معمار بھی بن سکتے ہیں۔ بعض دوست انسان کو علم، خیر، مقصد اور اللہ تک پہنچاتے ہیں، جب کہ بعض اسے آہستہ آہستہ غفلت، بے مقصدی اور گناہ کے راستے پر لے جاتے ہیں۔ اس لیے دوستی کے باب میں جذبات سے زیادہ بصیرت درکار ہے۔ جو نوجوان یہ سمجھ کر اپنے ماحول کا انتخاب کرے کہ میری رفاقت میرے دل، دین اور انجام پر اثر ڈالے گی، وہ اپنی زندگی کے ایک بہت اہم دروازے کی حفاظت کر لے گا اور جو صالح صحبت کو نعمت سمجھے، اس کی قدر کرے اور خود بھی دوسروں کے لیے خیر کا ساتھی بنے، وہ دنیا اور آخرت دونوں میں بہتر رفاقت پانے کے قابل ہو جائے گا۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ
علم، عمل، آزادی اور استقامت کی داستان (آخری قسط)

امین اللہ معاویہ
فاضل جامعہ الصفہ، معاون شعبۂ تصنیف و تالیف قرآن اکیڈمی یاسین آباد

جنگِ طرابلس و بلقان اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ملی شعور:

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی آزادی کی منظم جدوجہد کے پس منظر میں عالمِ اسلام کے حالات اور خصوصاً سلطنتِ عثمانیہ کو درپیش مشکلات کا بھی اہم کردار تھا۔ 1911ء میں طرابلس کی جنگ اور اس کے بعد 1912ء میں شروع ہونے والی جنگِ بلقان نے عالمِ اسلام میں گہری تشویش پیدا کر دی۔ ان حالات نے برصغیر کے مسلمانوں کے اندر بھی عثمانی سلطنت کے ساتھ ہمدردی اور اس کی مدد کا جذبہ پیدا کیا اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی اس ملی احساس سے گہرے طور پر وابستہ تھے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان حالات میں دارالعلوم دیوبند کو عارضی طور پر تعطیل کیا اور طلبہ و رفقا کے ذریعے مسلمانوں کو عثمانیوں کی امداد کی طرف متوجہ کیا۔ امداد کے لیے چندہ جمع کیا گیا اور ترکی تک طبی امداد پہنچانے کے لیے بھی کوشش کی گئی۔ یہ سرگرمی محض ایک وقتی امدادی اقدام نہ تھی، بلکہ اس سے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے وسیع تر ملی شعور اور عالمِ اسلام کے حالات سے ان کی گہری وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہی زمانہ ان کی آئندہ آزادی کی جدوجہد کے لیے بھی اہم ثابت ہوا۔ عثمانی سلطنت، افغانستان اور برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے روابط اور عالمِ اسلام کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ امکان واضح کیا کہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کو محض مقامی سطح تک محدود رکھنے کے بجائے بیرونی مسلم دنیا اور ہمسایہ ممالک سے بھی روابط قائم کیے جاسکتے ہیں۔ بعد کے برسوں میں یہی فکر زیادہ منظم صورت اختیار کرتی گئی اور بالآخر تحریکِ ریشمی رومال کے وسیع منصوبے میں سامنے آئی۔

تحریکِ ریشمی رومال: آزادی کا انقلابی منصوبہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں برطانوی اقتدار سے نجات اور ہندوستان کی آزادی کا جذبہ وقت کے ساتھ ایک منظم اور وسیع تر منصوبے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ایک مضبوط استعماری حکومت کا مقابلہ محض منتشر اور محدود کوششوں سے نہیں کیا جاسکتا، اس کے لیے ہندوستان کے اندر تنظیم و تیاری، سرحدی علاقوں میں موافق قوتوں کی تشکیل اور بیرونی سیاسی و عسکری تعاون کو باہم مربوط کرنا ضروری تھا۔

سرحدی علاقوں کی اہمیت:

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان اور افغانستان کے درمیان واقع آزاد قبائلی علاقوں، جنھیں اس زمانے کی بعض تحریروں میں "یاغستان" کہا جاتا تھا، کو اپنی حکمتِ عملی میں خاص اہمیت دی۔ ان علاقوں میں برطانوی اقتدار کے خلاف مزاحمت کی صلاحیت رکھنے والی قبائلی قوتیں موجود تھیں، اس لیے انھیں تحریکِ آزادی کے ایک اہم ممکنہ مرکز کے طور پر دیکھا گیا۔

اس سلسلے میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بعض بااعتماد تلامذہ اور رفقا نے ان علاقوں سے رابطے اور وہاں تنظیمی تیاری کے لیے کام کیا۔ مولانا محمد میاں منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے رفقا اس جدوجہد سے وابستہ رہے۔ مقصد یہ تھا کہ مناسب وقت آنے پر سرحدی علاقوں کو

ہندوستان کی آزادی کی وسیع تر جدوجہد سے مربوط کیا جا سکے۔

ہندوستانی محاذ اور بیرونی تعاون :

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نظر صرف سرحدی علاقوں تک محدود نہ تھی۔ وہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں موجود بااعتماد افراد کو بھی ایک ایسے نظم میں مربوط کرنا چاہتے تھے جس کے ذریعے مناسب موقع پر برطانوی اقتدار کے خلاف مؤثر مزاحمت پیدا کی جا سکے۔ اس منصوبے میں افغانستان اور عالمِ اسلام کی بعض طاقتوں سے تعاون حاصل کرنے کو بھی اہمیت حاصل تھی۔

پہلی جنگِ عظیم کے آغاز نے اس منصوبے کے لیے ایک نئی بین الاقوامی صورتِ حال پیدا کر دی۔ برطانیہ ایک بڑی عالمی جنگ میں مصروف تھا، جب کہ عثمانی سلطنت اور جرمنی اس کے مخالف فریقوں میں شامل تھے۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورتِ حال میں ہندوستان کی آزادی کے لیے بیرونی تعاون حاصل کرنے کا ایک ممکنہ موقع دیکھا۔ چنانچہ افغانستان اور عالمِ اسلام کے بعض اہم مراکز سے رابطوں کو منظم کرنے کی کوشش کی گئی۔

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا کابل مشن :

اس منصوبے میں مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے مرکزی کردار ادا کیا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں افغانستان جانے کی ہدایت کی تاکہ وہاں کے سیاسی حلقوں اور حکومت سے رابطہ قائم کیا جائے اور ہندوستان کی آزادی کے لیے ممکنہ تعاون حاصل کیا جا سکے۔

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ 1915ء میں کابل پہنچے۔ وہاں انہوں نے افغان حکومت اور مختلف سیاسی عناصر سے روابط قائم کیے۔ اسی زمانے میں راجا مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی بھی کابل پہنچے اور ہندوستان کی آزادی کے لیے ایک عارضی حکومت کے قیام کا تصور سامنے آیا۔ یوں ہندوستان سے باہر ایک سیاسی مرکز قائم کرنے کی کوشش ہوئی، جس کا مقصد برطانوی اقتدار کے خلاف ہندوستانی جدوجہد کو بین الاقوامی اور علاقائی حمایت فراہم کرنا تھا۔

کابل میں مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی سرگرمیوں کے نتیجے میں تحریک کے بیرونی روابط کا دائرہ وسیع ہوا اور ہندوستانی آزادی کی جدوجہد کو افغانستان اور دیگر بیرونی مراکز سے جوڑنے کی کوشش جاری رہی۔

تحریک کا وسیع تنظیمی دائرہ :

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جدوجہد کسی ایک مقام یا محدود حلقے تک محصور نہ تھی، بلکہ اس کے مختلف پہلو ہندوستان کے اندرونی علاقوں، سرحدی خطے، افغانستان اور حجاز تک پھیلے ہوئے تھے۔ ہندوستان میں تنظیم و تربیت کے لیے مختلف روابط قائم کیے گئے، سرحدی علاقوں میں یاغستان کو ایک اہم عملی مرکز کے طور پر دیکھا گیا، افغانستان میں مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے بیرونی سیاسی روابط استوار کیے گئے، جب کہ حجاز کے ذریعے عثمانی حکام اور عالمِ اسلام کے بعض بااثر حلقوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس طرح تحریک کا ایک ایسا وسیع دائرۂ کار تشکیل پاتا گیا جس میں ہندوستان کی اندرونی تیاری، سرحدی علاقوں کی عملی سرگرمیاں اور بیرونی سیاسی روابط ایک دوسرے سے مربوط تھے۔ بعد میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا حجاز کا سفر بھی اسی وسیع منصوبے کا ایک اہم مرحلہ ثابت ہوا۔

حجاز روانگی سے قبل اہم مشاورت :

حجاز روانگی سے قبل شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ایک ہفتہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں مقیم رہے، جہاں انہوں نے اپنی تحریک کے اہم رفقا، محدثِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا الحاج احمد رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اہم امور پر تفصیلی مشاورت کی۔ اس دوران تحریک کے آئندہ لائحۂ عمل اور مختلف ذمہ داریوں کے حوالے سے اہم فیصلے کیے گئے۔

اسی مشاورت میں یہ بھی طے ہوا کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی عدم موجودگی میں تحریک کی سرپرستی حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کریں گے، جب کہ مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی حجاز کا سفر کریں گے، تاہم دونوں حضرات الگ الگ سفر کریں گے، تاکہ اگر کسی ایک کو حکومت گرفتار کر لے تو دوسرا حجاز پہنچ کر اپنے مقصد کو آگے بڑھا سکے۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ پہلے روانہ ہوئے اور اس کے بعد شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے سفر اختیار کیا۔

حجاز روانگی کے موقع پر برطانوی حکومت کی نگرانی بھی سخت تھی اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری کا ارادہ کیا جاچکا تھا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اس صورتِ حال سے آگاہ کردیا تھا، چنانچہ وہ برطانوی زیرِ اثر علاقے سے جلد از جلد نکل جانا چاہتے تھے۔ حج کا زمانہ قریب تھا، اس لیے اسی موقع کو مناسب سمجھتے ہوئے انہوں نے حجاز کا سفر اختیار کیا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے سفر کے اخراجات کا انتظام کیا اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفقا، مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد میاں منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

ادھر حکومت نے ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کرکے بمبئی پولیس کو ہدایات بھیج دیں، لیکن عوام اور عقیدت مندوں کے ہجوم کے باعث پولیس انہیں گرفتار نہ کرسکی۔ بعد ازاں جہاز کے کپتان کو بھی تار کے ذریعے گرفتاری کا حکم بھیجا گیا، مگر یہ اطلاع اس وقت پہنچی جب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جہاز سے جزیرۂ سعد میں قرنطینہ کے لیے اتر چکے تھے۔ اس طرح وہ گرفتاری سے بچتے ہوئے حجاز پہنچ گئے اور اپنے سفر کے اگلے مرحلے میں داخل ہوئے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا حجاز کا سفر:

اسی وسیع منصوبے کے تحت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ 1915ء میں حجاز تشریف لے گئے، جہاں ان کا مقصد عالمِ اسلام کے بااثر حلقوں اور عثمانی حکام سے ہندوستان کی آزادی کے لیے تعاون حاصل کرنا تھا۔ مکہ مکرمہ میں ان کی ملاقات حجاز کے والی غالب پاشا سے ہوئی، جب کہ مدینہ منورہ میں عثمانی حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں سے بھی ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں روابط قائم ہوئے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کے لیے بیرونی تعاون حاصل ہو اور ضرورت پڑنے پر افغانستان اور سرحدی علاقوں کے ذریعے ایک محفوظ راستہ بھی میسر آسکے۔ اس مقصد کے لیے مختلف سیاسی امکانات پر غور کیا گیا، لیکن پہلی جنگِ عظیم کی پیچیدہ صورتِ حال، بین الاقوامی کشمکش اور مواصلاتی دشواریوں نے اس منصوبے کو عملی کامیابی سے دور کردیا۔

ریشمی خطوط اور تحریک کا انکشاف:

تحریک کے مختلف مراکز کے درمیان رابطے کے لیے خفیہ ذرائع اختیار کیے جاتے تھے۔ ہندوستان، افغانستان اور حجاز کے درمیان پیغامات، ہدایات اور منصوبوں کا تبادلہ ہوتا تھا اور کوشش کی جاتی تھی کہ تحریک کی سرگرمیاں برطانوی حکومت کی نگاہوں سے پوشیدہ رہیں۔

اسی سلسلے میں بعض اہم خطوط ریشمی کپڑے پر تحریر کیے گئے۔ ان خطوط میں تحریک کے منصوبوں، باہمی روابط اور بیرونی تعاون سے متعلق اہم امور درج تھے۔ جب یہ خطوط برطانوی حکام کے ہاتھ لگے تو تحریک کی سرگرمیوں اور اس سے وابستہ افراد کے بارے میں انہیں اہم معلومات حاصل ہوگئیں۔ یہی واقعہ بعد میں اس پوری جدوجہد کے لیے ''تحریک ریشمی رومال'' کے نام کے معروف ہونے کا سبب بنا۔

ریشمی خطوط کے انکشاف کے بعد ہندوستان میں تحریک سے وابستہ افراد کے خلاف کارروائیاں تیز ہوگئیں اور برطانوی حکومت نے مختلف مراکز پر اپنی نگرانی سخت کردی۔ یوں وہ خفیہ تنظیمی منصوبہ، جسے کئی برس کی تیاری اور باہمی روابط کے ذریعے آگے بڑھایا جا رہا تھا، شدید مشکلات سے دوچار ہوگیا۔

حجاز کے حالات میں تبدیلی اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری:

اسی دوران حجاز کی سیاسی صورتِ حال بھی یکسر بدل گئی۔ شریفِ مکہ حسین بن علی نے عثمانی حکومت کے خلاف بغاوت کردی اور برطانوی حمایت حاصل کرلی۔ اس سیاسی تبدیلی کے نتیجے میں حجاز میں موجود شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقا کے لیے حالات انتہائی دشوار ہوگئے۔ بالآخر اکتوبر 1916ء میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کرلیا گیا اور بعد ازاں برطانوی حکام کے حوالے کردیا گیا۔ ان کے ساتھ ان کے بعض رفقا بھی گرفتار ہوئے، جن میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عزیر گل پیشاوری رحمۃ اللہ علیہ نمایاں تھے۔

یوں تحریکِ ریشمی رومال کا وہ مرحلہ اختتام کو پہنچا جس میں ہندوستان کے اندر تنظیم سازی، سرحدی علاقوں سے رابطہ، افغانستان سے سیاسی تعاون اور عالمِ اسلام کے مراکز سے تعلق قائم کرکے برطانوی اقتدار کے خلاف ایک ہمہ گیر جدوجہد کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ منصوبہ اپنے فوری سیاسی مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا، لیکن اس نے برصغیر میں آزادی کی جدوجہد، علما کے سیاسی کردار اور ملت کے اجتماعی شعور کی تاریخ میں ایک نمایاں باب کا اضافہ کیا۔

اسیرِ مالٹا : صبر، استقامت اور فکری پختگی

گرفتاری کے بعد شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے قاہرہ میں زیرِ حراست رکھا گیا اور بعد ازاں مالٹا منتقل کر دیا گیا۔ 21 فروری 1917ء کو وہ مالٹا پہنچے، جہاں تقریباً تین سال تک قید و بند کی زندگی گزارنا پڑی۔ مالٹا کی اسیری ان کی زندگی کا ایک نہایت کٹھن مرحلہ تھی، لیکن جسمانی قید ان کے عزم و استقلال کو متزلزل نہ کر سکی۔ ناموافق حالات کے باوجود عبادت، تلاوتِ قرآن اور ذکر و فکر سے ان کا تعلق برقرار رہا۔ اپنے رفقا اور تلامذہ کے ساتھ بھی ان کا تعلق قائم رہا اور وہ اپنی استطاعت کے مطابق ان کی دینی و اخلاقی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

اس عرصے میں آزادی کی جدوجہد کے تجربات، مسلمانوں کی مجموعی حالت اور ملت کی اصلاح کے تقاضوں پر بھی ان کی توجہ مرکوز رہی اور قرآنِ کریم سے ان کے تعلق کا پہلو مزید نمایاں ہوا۔

اسی دوران انہوں نے قرآنِ کریم کا بین السطور اردو ترجمہ مکمل کیا، جو بعد میں ''ترجمۂ شیخ الہند'' کے نام سے معروف ہوا۔ اس ترجمے کا آغاز انہوں نے اسیری سے پہلے کیا تھا اور جولائی 1918ء میں مالٹا ہی میں اسے مکمل کیا۔ ترجمے کے ساتھ ساتھ انہوں نے تفسیری حواشی کا کام بھی شروع کیا، جو مکمل نہ ہو سکا اور بعد میں ان کے شاگرد مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے آگے بڑھایا۔ بعد ازاں یہ علمی کام ''تفسیرِ عثمانی'' کی صورت میں معروف ہوا۔

یوں مالٹا کی اسیری نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد کو موقوف تو کیا، لیکن ان کے علمی و اصلاحی کام کو نہیں روکا۔ قید کی محدود زندگی میں بھی انہوں نے علم، عبادت اور قرآنِ کریم سے تعلق کو اپنی زندگی کا مرکز بنائے رکھا۔ اس مرحلے سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک آزادی کی جدوجہد محض سیاسی اقتدار کی تبدیلی کا نام نہ تھی، بلکہ ملت کی فکری، دینی اور اخلاقی اصلاح بھی اس کے بنیادی تقاضوں میں شامل تھی۔

مالٹا کے خطوط : صبر، رضا اور تعلق باللہ

مالٹا کی اسیری کے دوران شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط ان کی داخلی کیفیت، صبر و استقامت اور تعلق باللہ کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔ ان خطوط میں دنیا کی ناپائیداری، مصائب پر صبر، اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر رضا و تسلیم اور اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونے کی تلقین نمایاں طور پر ملتی ہے۔ وہ اپنے اہلِ خانہ اور متعلقین کو بھی یہی سمجھاتے تھے کہ راحت ہو یا مصیبت، ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھا جائے اور اسی سے امید وابستہ کی جائے۔

ان کے خطوط کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ قید و مصیبت کو محض شکوے کا موضوع بنانے کے بجائے اسے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور آزمائش کے تناظر میں دیکھتے تھے۔ ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ شدید حالات کے باوجود ان کا قلبی سہارا اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور وہ اپنے متعلقین کو بھی صبر، سکون، دعا اور اللہ کی رحمت پر اعتماد کی تلقین فرماتے رہے۔ اس طرح مالٹا کی اسیری ان کے لیے صرف جسمانی قید کا زمانہ نہیں رہی، بلکہ ان کے تعلق باللہ، رضا و تسلیم اور روحانی استقامت کا بھی ایک نمایاں دور بن گئی۔

تقریباً تین سالہ اسیری کے بعد برطانوی حکومت کی پالیسی میں تبدیلی آئی اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو دیگر بعض رفقا کے ساتھ ہندوستان واپسی کی اجازت دی گئی۔ 12 مارچ 1920ء کو انہیں مالٹا سے ہندوستان روانہ کیا گیا، جب کہ 8 جون 1920ء کو وہ بمبئی پہنچے۔

مالٹا سے رہائی کے ساتھ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک باب مکمل ہوا، لیکن ان کی جدوجہد کا خاتمہ نہیں ہوا۔ وطن واپسی کے بعد ان کی سرگرمیوں نے ایک نئی سمت اختیار کی، جس میں خلافت تحریک، ترکِ موالات اور عدمِ تعاون، ملی اتحاد اور تعلیمی و قومی اداروں کی تشکیل نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

رہائی کے بعد آخری ملی و علمی خدمات :

طویل اسیری کے باعث جسمانی طور پر خاصے کمزور ہو چکے تھے، لیکن خدمتِ ملت اور آزادی کی جدوجہد کا جذبہ بدستور قائم تھا۔ وطن واپسی کے بعد ان کی سرگرمیوں میں سیاسی جدوجہد کے ساتھ ملی اتحاد، دینی بیداری، تعلیمی خودمختاری اور مسلمانوں کی اجتماعی اصلاح کے پہلو بھی نمایاں رہے۔ وہ تحریکِ خلافت اور عدمِ تعاون کی جدوجہد سے وابستہ ہوئے اور علما و اہلِ ملت کو بھی اس دور کی ملی جدوجہد میں مؤثر کردار ادا کرنے کی ترغیب دی۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ اور تعلیمی خودمختاری :

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ملی فکر میں تعلیم کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ وہ مسلمانوں کی دینی و اخلاقی تربیت اور تعلیمی خودمختاری کو ملت کی تعمیر کے لیے

ضروری سمجھتے تھے۔ اسی وسیع تعلیمی فکر کے تحت انہوں نے ان کوششوں کی حمایت کی جن سے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اور خودمختار تعلیمی نظام قائم ہو سکے۔

29 اکتوبر 1920ء کو علی گڑھ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی اور شیخ الہند رحمۃ اللہ نے اس کا سنگِ بنیاد رکھا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی سرکاری تاریخ میں مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کو اس کے بانیوں میں شمار کیا گیا ہے اور 29 اکتوبر 1920ء کو ان کے ہاتھوں سنگِ بنیاد رکھے جانے کی تصدیق کی گئی ہے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شرکت اس امر کی علامت تھی کہ ان کے نزدیک ملت کی تعمیر کے لیے تعلیم کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تشکیل اسی تعلیمی خودمختاری کی کوشش کا ایک اہم مظہر تھی، جس کے ذریعے مسلمانوں کے لیے ایک ایسے تعلیمی ادارے کے قیام کی کوشش کی گئی جو دینی تشخص، فکری تربیت اور عصری تعلیم کے تقاضوں کو یکجا کر سکے۔

جمعیت علمائے ہند اور آخری ملی جدوجہد:

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری مہینوں میں جمعیت علمائے ہند سے ان کی وابستگی بھی خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ جمعیت علمائے ہند نومبر 1919ء میں قائم ہوئی تھی، جب کہ نومبر 1920ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے اس کے اجلاسِ عام کی صدارت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ جمعیت کے تاریخی ریکارڈ کے مطابق اسی اجلاس میں ''عدمِ تعاون'' کی قرارداد منظور کی گئی، جسے بعد ازاں متعدد علما کی تائید حاصل ہوئی۔

یوں مالٹا سے واپسی کے بعد بہت مختصر مدت میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے مختلف تجربات کو ایک وسیع تر ملی جدوجہد سے مربوط کر دیا۔ ایک طرف آزادی اور سیاسی خودمختاری کا مسئلہ تھا، دوسری طرف تعلیم، دینی تشخص اور ملت کے اجتماعی اتحاد کی تعمیر اور ان کے طرزِ فکر میں یہ سب ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں۔

اس طرح شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری دور میں ''آزادی، ملی اتحاد، تعلیم اور قرآن سے وابستگی'' ان کی جدوجہد کے نمایاں عنوانات بن کر سامنے آئے۔ لیکن یہ مرحلہ زیادہ طویل نہ تھا، وطن واپسی کے چند ہی ماہ بعد 30 نومبر 1920ء کو دہلی میں یہ مردِ علم و عمل اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

وفات اور آخری ایام:

مالٹا کی طویل اسیری، مسلسل جدوجہد اور کمزور ہوتی ہوئی صحت نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے جسم کو خاصا ناتواں کر دیا تھا، لیکن آخری ایام تک خدمتِ دین و ملت کا جذبہ برقرار رہا۔ ہندوستان واپسی کے بعد بھی انہوں نے اپنی استطاعت کے مطابق ملی اور قومی سرگرمیوں میں حصہ لیا، تاہم بیماری نے انہیں زیادہ طویل عملی زندگی کی مہلت نہ دی۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سنگِ بنیاد رکھنے اور دہلی میں اپنی آخری ملی سرگرمیوں کے دوران ان کی صحت مزید کمزور ہوتی گئی۔ انہوں نے اپنے آخری ایام دہلی میں اپنے مخلص رفیق ڈاکٹر مختار احمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں گزارے، جہاں ان کا علاج اور تیمارداری جاری رہی۔

بالآخر 30 نومبر 1920ء کو دہلی میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی۔ یوں ایک ایسی زندگی کا اختتام ہوا، جس کے مختلف مراحل علم و تدریس، دینی و روحانی تربیت، ملی بیداری اور آزادی کی جدوجہد سے عبارت تھے۔

ان کی وفات کی خبر سے اہلِ علم، تلامذہ، رفقا اور عوام میں گہرا صدمہ پھیلا۔ آپ کی خواہش کے مطابق آپ کا جسدِ خاکی دہلی سے دیوبند لے جایا گیا اور وہاں اپنے استاد و مربی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے قریب سپردِ خاک کیا گیا۔ یوں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری زندگی کا سفر اسی علمی و روحانی مرکز میں اختتام پذیر ہوا جس سے ان کی زندگی کا سب سے بڑا علمی باب وابستہ تھا۔

علمی و ملی وراثت:

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اگرچہ ایک عظیم عالم، مدرس، مربی اور رہنما کی زندگی کا اختتام تھی، لیکن ان کی علمی، فکری اور ملی خدمات کا سلسلہ ان کے بعد بھی جاری رہا۔ ان کی اصل میراث کسی ایک تصنیف یا کسی ایک تحریک تک محدود نہ تھی، بلکہ ایک ایسا جامع مزاج تھا جس میں ''علم و عمل، دینی تربیت، فکری بیداری، ملی ذمہ داری اور مقصد کے لیے استقامت'' یکجا ہو گئے تھے۔

ان کے تلامذہ اس علمی و تربیتی وراثت کے سب سے نمایاں امین بنے۔ ان کے حلقۂ درس سے وابستہ علما نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں

تدریس، تصنیف، تفسیر، حدیث، اصلاح، دعوت اور ملی خدمت کے میدانوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس طرح شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی علمی محنت ایک فرد یا ایک ادارے تک محدود نہ رہی بلکہ ایک وسیع علمی سلسلے کی صورت میں آگے بڑھتی رہی۔

ان کی علمی میراث میں علومِ حدیث سے ان کی گہری وابستگی، فقہی و علمی تحقیقات اور قرآنِ کریم کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق نمایاں ہے۔ مالٹا کی اسیری میں قرآنِ کریم کے اردو ترجمے کی تکمیل اور تفسیری حواشی کے کام کا آغاز بھی ان کی علمی ترجیحات کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیری کام کو آگے بڑھایا۔

ان کی ملی میراث بھی اسی طرح وسیع تھی۔ انہوں نے اپنے عہد کے مسلمانوں کو علم، خود اعتمادی، تنظیم اور اجتماعی ذمہ داری کے ساتھ اپنے حالات کا سامنا کرنے کی ترغیب دی۔ ان کی زندگی میں دینی تعلیم اور ملی جدوجہد ایک دوسرے سے جدا نہیں تھے، بلکہ دونوں ایک وسیع تر مقصد کے مختلف پہلو تھے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی عملی جدوجہد کے طریقوں اور حالات میں وقت کے ساتھ تبدیلی ضرور آئی، لیکن ملت کی بیداری اور آزادی کا بنیادی احساس ان کی زندگی کے آخری مرحلے تک نمایاں رہا۔ اسی لیے ان کی جدوجہد کا مطالعہ صرف ان کے زمانے کے سیاسی واقعات کے حوالے سے نہیں، بلکہ ان کے علمی و تربیتی اثرات کے تناظر میں بھی ہونا چاہیے۔

ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے علم کو زندگی سے جدا نہیں کیا۔ ان کے لیے علم محض معلومات کا ذخیرہ نہیں بلکہ کردار سازی، بصیرت اور عمل کا ذریعہ تھا، تدریس محض درس دینے کا نام نہیں بلکہ انسان تیار کرنے کی ذمہ داری تھی اور ملی خدمت محض سیاسی سرگرمی نہیں بلکہ ملت کی دینی و اجتماعی ذمہ داری کا ایک حصہ تھی۔

اسی جامع مزاج نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے عہد کی ایک منفرد شخصیت بنا دیا۔ ان کے علمی فیض نے متعدد نسلوں کی علمی و فکری تربیت میں اثر ڈالا اور ان کے تلامذہ نے مختلف میدانوں میں اس وراثت کو آگے بڑھایا۔ ان کی جدوجہد نے ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں ایک ایسا باب رقم کیا جس میں علم، دین، ملی شعور اور آزادی کی آرزو ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتی ہے۔

حیاتِ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: خلاصۂ سیرت اور ہمارے لیے سبق

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ علم، تربیت، اخلاص، بصیرت، جدوجہد اور استقامت کا ایک ایسا مربوط سفر ہے جس میں دین کی خدمت اور ملت کی فکر ایک دوسرے سے جدا نظر نہیں آتیں۔ دارالعلوم دیوبند کے ایک طالب علم سے لے کر ایک عظیم مدرس و مربی، فکری رہنما اور آزادی کے مجاہد تک ان کی زندگی مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی ایک ایسے بلند مقصد کی ترجمان بن گئی، جس میں دین کی سربلندی اور ملت کی اصلاح بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔

ان کی زندگی نے یہ حقیقت نمایاں کی کہ علم محض مطالعہ اور تدریس کا نام نہیں، بلکہ اگر وہ بصیرت، کردار اور عمل پیدا کرے تو فرد اور معاشرے دونوں کی تعمیر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد کے حالات کو گہری نگاہ سے دیکھا، ان کے تقاضوں کو سمجھا اور اپنی استطاعت کے مطابق دین، ملت اور آزادی کے لیے عملی کردار ادا کیا۔

ان کی جدوجہد کے طریقے حالات کے ساتھ بدلتے رہے، لیکن مقصد سے وابستگی، دینی شعور اور خدمتِ ملت کا جذبہ ان کے سفر میں ہمیشہ قائم رہا۔ اسی لیے ان کی زندگی کا مطالعہ ہمیں صرف ماضی کے ایک عظیم عالم کی یاد نہیں دلاتا، بلکہ یہ سبق بھی دیتا ہے کہ آزمائش کے زمانے میں علم، اخلاص، حکمت اور استقامت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا ہی اہلِ عزم کی شان ہے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ علم جب اخلاص، بصیرت اور عمل سے جڑ جائے تو وہ فرد کی اصلاح کے ساتھ معاشرے کی تعمیر اور تاریخ پر بھی گہرے اثرات مرتب کر سکتا ہے۔ ان کی حیاتِ مبارکہ کا یہی جامع پیغام آج بھی اہلِ علم اور اہلِ عزم کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

لمحوں کی امانت (پہلی قسط)

حافظ حذیفہ محمود

فاضل جامعہ الصفہ واستاذ قرآن اکیڈمی یاسین آباد

اللہ رب العزت نے انسان کو اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ اگر وہ گننے بیٹھے تو گن نہ سکے لیکن ان تمام نعمتوں کی بنیاد اور جڑ ایک ہی نعمت ہے اور وہ ہے زندگی۔ اگر زندگی نہ ہو تو نہ صحت کا کوئی مطلب رہتا ہے، نہ دولت کا، نہ رشتوں کا اور نہ عبادت کا اور زندگی حقیقت میں کیا ہے؟ چند سانسوں، چند دنوں اور چند برسوں کا مجموعہ یعنی وقت۔

اسی لیے اسلام وقت کو محض ایک مادی وسیلہ نہیں، بلکہ امانتِ الٰہی قرار دیتا ہے۔ سرمایہ وہ چیز ہے جسے آدمی اپنی ملکیت سمجھ کر جیسے چاہے خرچ کرے، جب کہ امانت وہ ہے جو کسی اور کی ہو، ہمارے پاس مقررہ مدت کے لیے رکھوائی گئی ہو اور جس کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہو۔ یہی فرق اسلامی تصورِ وقت اور جدید مادی تصورِ وقت کے درمیان بنیادی لکیر کھینچتا ہے اور یہی اس مضمون کا مرکزی خیال ہے۔

اس مضمون میں قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ اور اسلاف کے اقوال کی روشنی میں چند بنیادی سوالات پر گفتگو کی گئی ہے: زندگی کا مقصد کیا ہے، وقت اور زندگی کا آپس میں کیا رشتہ ہے، قرآن وسنت میں وقت کی قدر کے بارے میں کیا رہنمائی ہے، آج کے دور میں وقت کا سب سے بڑا چور کون ہے، چوبیس گھنٹوں کو کس ترتیب سے منظم کیا جائے اور اسلامی نظمِ اوقات اور جدید مغربی ''ٹائم مینجمنٹ'' میں بنیادی فرق کیا ہے؟

زندگی مقصد کے ساتھ دی گئی نعمت ہے!

زندگی کوئی اتفاقی حادثہ یا بے مقصد کھیل نہیں، بلکہ ایک واضح مقصد کے لیے عطا کی گئی نعمت ہے۔ قرآنِ کریم نے اس مقصد کو نہایت صاف الفاظ میں بیان فرما دیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [الذریت: 56]

''اور میں نے جنّات اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

یہاں عبادت کا مطلب صرف نماز، روزہ اور تسبیح تک محدود نہیں، بلکہ وہ پوری زندگی ہے جو اللہ کی رضا کے مطابق گزاری جائے، یعنی حلال کمائی بھی، والدین کی خدمت بھی، اولاد کی تربیت بھی اور مخلوقِ خدا کی خیر خواہی بھی، بشرطیکہ نیت اللہ کی رضا ہو۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کی تخلیق کا مقصد یوں بیان فرمایا:

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا [الملک: 02]

''جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون ہے اچھا عمل کرنے والا''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زندگی دراصل ایک امتحان ہے اور وقت اس امتحان کا پرچہ۔ امتحان کا وقت محدود ہوتا ہے اور جو طالب علم اس وقت کو ضائع کر دے وہ نتیجے کے دن پچھتاتا ہے۔ قرآن نے اسی حقیقت کو ایک سوال کی صورت میں انسان کے سامنے رکھا:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ [المؤمنون: 115]

''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟''

مختصر زندگی اور ہمیشہ کی آخرت:

اللہ تعالیٰ نے زندگی کو بہت مختصر رکھا ہے اور ساتھ ہی یہ سمجھا بھی دیا ہے کہ اس مختصر سی مہلت کو اپنی آخرت اور جنت بنانے میں لگا دو۔ قیامت کے دن جب انسانوں سے پوچھا جائے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے تو وہ سب کچھ بھول کر کہیں گے کہ بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ:

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [المؤمنون: 114 - 112]

''اللہ پوچھے گا: تم زمین میں برسوں کے حساب سے کتنی مدت رہے؟ وہ کہیں گے: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، آپ گننے والوں سے پوچھ لیجیے۔ اللہ فرمائے گا: تم

بہت تھوڑی ہی مدت رہے، کاش تم جانتے ہوتے''۔
اگر یہ دنیا انہی چیزوں کے لیے ہوتی جن کے پیچھے آج ہم دوڑ رہے ہیں تو نہ اس کی زندگی اس قدر مختصر ہوتی اور نہ اسے اتنے مسائل کے ساتھ بنایا جاتا۔ دنیا اور انسان دونوں کی زندگی فنا ہونے والی ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا نظام بنایا تاکہ انسان یہاں اپنے مقصد کو سامنے رکھ کر تھوڑی سی اچھی زندگی گزارے اور پھر جنت میں ہمیشہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو۔ قرآن نے دنیا اور آخرت کا یہ فرق اس طرح واضح کیا:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ [العنکبوت: 64]

''اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور حقیقی زندگی تو آخرت کا گھر ہی ہے، کاش یہ لوگ جانتے''۔

سورۃ الحدید میں اسی دنیا کی تصویر یوں کھینچی گئی ہے کہ یہ کھیل کود، زیب و زینت، آپس میں فخر جتانے اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنے کا نام ہے اور اس کی مثال اس بارش جیسی ہے جس سے کھیتی لہلہا اٹھتی ہے، پھر وہ سوکھ کر زرد ہو جاتی ہے اور آخر چورا چورا ہو جاتی ہے۔ یہ ہے اس دنیا کی حقیقت جس کی خاطر انسان اپنا سب سے قیمتی سرمایہ، یعنی وقت، لٹا دیتا ہے۔

وقت ہر ایک کو برابر ملا ہے:

وقت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ان نعمتوں میں سے ہے جو ہر انسان کو برابر میسر ہیں۔ بادشاہ ہو یا مزدور، عالم ہو یا عامی، امیر ہو یا غریب، ہر ایک کے پاس روزانہ چوبیس گھنٹے ہی ہیں، نہ ایک سیکنڈ کم اور نہ ایک سیکنڈ زیادہ۔ قدرت نے یہاں سب کو یکساں سرمایہ دیا ہے، فرق صرف اس بات سے پیدا ہوتا ہے کہ کس نے اسے کس طرح برتا۔ ہمارے دن رات کی یہ گردش بھی اسی نعمت کا حصہ ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا [الفرقان: 62]

''اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا، اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو''۔

اس سے یہ اصول نکلتا ہے کہ اس مختصر زندگی میں جتنا زیادہ وقت کی قدر کی جائے گی، زندگی کا مقصد حاصل کرنا اتنا ہی آسان ہوتا جائے گا اور جتنی ناقدری کی جائے گی، یعنی لغو، لایعنی اور فضول کاموں میں وقت لگایا جائے گا، ہم اپنے مقصد سے اتنے ہی دور ہوتے چلے جائیں گے۔

مقصد سے ہٹنے کا انجام:

ہمیں یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ جب کوئی چیز اپنے مقصد سے ہٹ کر استعمال کی جاتی ہے تو اس میں خرابیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ مثلاً جوتوں کا مقصد یہ ہے کہ انہیں پہنا جائے تاکہ پاؤں محفوظ رہیں۔ اب اگر کوئی شخص جوتوں کو جیب میں رکھ لے یا شاپر میں ڈال کر ننگے پاؤں گھومتا پھرے تو اس کے پاؤں زخمی ہو جائیں گے اور کچھ عرصے بعد وہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو سکتا ہے۔ قصور جوتوں کا نہیں، قصور اس کا ہے جس نے جوتوں کا مقصد ہی نہ سمجھا۔

بالکل یہی معاملہ زندگی کا ہے۔ زندگی کا واحد مقصد اللہ کی رضا اور جنت کا حصول ہے۔ جو شخص اس مقصد کو سامنے رکھ کر زندگی گزارتا ہے اس کے لیے عبادت کرنا، نیکی کرنا، صبر کرنا، لوگوں کی خدمت کرنا اور حلال کا اہتمام کرنا سب آسان ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی ہر کوشش کو ایک سمت مل چکی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو شخص زندگی کے مقصد کو بھلا کر اللے تللے میں لگ جائے، پیسہ بنانا، کمانا اور اڑانا، گھومنا پھرنا، عالیشان گھر، منصب، شہرت اور دولت ہی کو اپنا مقصد بنا لے تو وہ جلد پریشان ہو جاتا ہے۔ جو-انی میں مزے کرتا ہے، شادی کے بعد گھریلو مسائل کا سامنا نہیں کر پاتا، کچھ عرصے بعد دولت کی کمی کے گلے شکوے کرنے لگتا ہے اور اس کے بعد بیماریوں میں گھر کر اس کا کھیل ختم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن نے فرمایا کہ اصل کامیابی کیا ہے:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ [آل عمران: 185]

''پس جو شخص آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ حقیقت میں کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں''۔

زندگی کیا ہے؟ وقت ہی زندگی ہے

عربی کا مشہور مقولہ ہے: الوقت هو الحياة ''وقت ہی زندگی ہے''۔ ہماری زندگی کے مختلف دور، بچپن، لڑکپن، جوانی، ادھیڑ عمر اور بڑھاپا، سب وقت ہی کی پیداوار ہیں۔ وہ وقت جسے ہم گھڑی اور کیلنڈر میں دیکھتے ہیں، جس میں سیکنڈ، منٹ، گھنٹہ، دن، رات، ہفتہ، مہینہ اور سال نظر آتے ہیں، یہی دراصل زندگی ہے۔ زندگی کا ایک سیکنڈ بھی زندگی ہی کہلاتا ہے، کیونکہ یہی سیکنڈ آگے بڑھ کر منٹوں اور گھنٹوں کا سفر طے کرتا ہے، کچھ برسوں بعد ہمارا لڑکپن ختم کرتا ہے، پھر بڑھاپا لاتا ہے اور آخر کار موت تک لے جاتا ہے اور زندگی کا عارضی چراغ بجھ جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے انسانی زندگی کے ان ادوار کو یوں بیان فرمایا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَیْبَةً ۭ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ [الروم: 54]

''اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت سے پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد قوت دی، پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا، ہر بات پر قدرت رکھنے والا ہے''۔

تابعی جلیل حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ ''اے ابنِ آدم! تو چند دنوں کا مجموعہ ہی تو ہے، جب ایک دن گزر گیا تو تیرا ایک حصہ چلا گیا'' اسی حقیقت کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نکتے کو نہایت گہرے انداز میں بیان کیا کہ وقت کا ضائع کرنا موت سے بھی زیادہ سخت ہے، کیونکہ وقت کا ضیاع انسان کو اللہ اور آخرت سے کاٹ دیتا ہے، جب کہ موت انسان کو صرف دنیا اور اہلِ دنیا سے جدا کرتی ہے۔

قرآنِ کریم میں وقت کی قدر و قیمت اور اہلِ ایمان کی خوبیاں:

قسمِ عصر: وقت کی عظمت اور خسارے سے نجات

قرآنِ حکیم نے وقت کی عظمت کو ایک پوری سورت کا موضوع بنایا اور اس کی قسم کھائی۔ اللہ تعالیٰ اپنی کسی مخلوق کی قسم اسی وقت کھاتا ہے جب وہ چیز غیر معمولی اہمیت رکھتی ہو:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ [العصر]

''زمانے کی قسم! بے شک انسان بڑے خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی''۔

اس سورت میں غور طلب بات یہ ہے کہ وقت کی قسم کھانے کے فوراً بعد خسارے سے نجات کے چار اجزا بتائے گئے: ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ خسارے سے بچنے کا معیار یہاں نہ دولت ہے، نہ منصب اور نہ پیداواری اعداد و شمار، بلکہ وقت کو ایمان اور نیک عمل میں لگانا اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دینا ہے۔

کامیاب مومنین اور لغو سے اعراض:

اللہ رب العزت نے قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر لایعنی، لغو اور وقت ضائع کرنے کی نہایت شدت کے ساتھ مذمت فرمائی ہے۔ سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ [المؤمنون: 3 – 1]

''یقیناً وہ ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں اور جو بے مقصد فضول کاموں سے منہ موڑ لیتے ہیں''۔

اللہ رب العزت نے ایمان والوں کی ایک اہم خوبی یہ بتائی کہ وہ ایسے کاموں سے خود کو بچاتے ہیں جن میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دنیا کا، ایسے کام جن میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور زندگی بھی۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کامیابی کی اس فہرست میں نماز کے خشوع کے فوراً بعد لغو سے اعراض کا ذکر ہے، گویا وقت کی حفاظت عبادت ہی کی طرح کامیاب زندگی کا ستون ہے۔

عباد الرحمن اور وقار کے ساتھ گزر جانا:

سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ نے ''عباد الرحمن'' کے عنوان سے اپنے خاص بندوں کی جو صفات بیان فرمائی ہیں ان میں ایک خوبی یہ ہے:

وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا [الفرقان: 72]

''اور جب کسی لغو (فضول) چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں''۔

یعنی جب ایمان والوں کا گزر کسی ایسی جگہ سے ہوتا ہے جہاں فضول کام ہو رہے ہوں اور وقت ضائع کیا جا رہا ہو تو وہ نہ اس میں شریک ہوتے ہیں، نہ وہاں ٹھہرنا پسند کرتے ہیں، بلکہ نہایت باوقار انداز میں وہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ انہیں لغو سے اپنی بیزاری کو تکبر یا حقارت کے ساتھ ظاہر

کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، ان کی شخصیت کا وقار ہی ان کا جواب ہوتا ہے۔

مقصد سے غفلت اور اس کا انجام:

قرآنِ کریم نے اس شخص کے طرزِ عمل سے بھی خبردار کیا ہے جو اللہ کی یاد سے غافل ہو کر اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑتا ہے اور اس کی زندگی کا سارا معاملہ ضیاع اور بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سورۃ التکاثر نے دولت اور اسباب میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ کا انجام یوں بیان کیا:

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ [التکاثر: 2 – 1]

''زیادہ سے زیادہ (مال و دولت) حاصل کرنے کی حرص نے تمہیں غفلت میں ڈالے رکھا، یہاں تک کہ تم قبروں تک جا پہنچے''۔

وقت کی قدر کا آخری احساس:

انسان کو وقت کی اصل قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔ قرآن نے قیامت کے دن مجرموں کی حالت کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں اسی پچھتاوے کی جھلک ہے۔ سورۃ السجدہ میں ارشاد ہے:

وَلَوۡ تَرٰٓى اِذِ الۡمُجۡرِمُوۡنَ نَاكِسُوۡا رُءُوۡسِهِمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ رَبَّنَاۤ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ [السجدہ: 12]

''اور کاش تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے): اے ہمارے پروردگار! ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے، اس لیے ہمیں (دنیا میں) دوبارہ بھیج دیجیے تاکہ ہم نیک عمل کریں، ہمیں اب پورا یقین آچکا ہے''۔

موت کے وقت بھی یہی آرزو زبان پر آئے گی، مگر اس وقت مہلت ختم ہو چکی ہوگی:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ ۙ لَعَلِّىۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِيۡمَا تَرَكۡتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ [المؤمنون: 100 – 99]

''(یہ لوگ اپنی روش پر رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی تو کہے گا: اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دیجیے، تاکہ جو (وقت اور مال) میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک عمل کر لوں۔ ہرگز نہیں! یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے''۔

سورۃ فاطر میں جہنمیوں کی چیخ و پکار کے جواب میں اللہ تعالیٰ ایک نہایت سنجیدہ سوال فرمائے گا:

اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ [الفاطر: 37]

''کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس میں کوئی سوچنے والا سوچ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آچکا تھا''۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ موت سے پہلے پہلے اپنی مہلت کو غنیمت جانیں: ''اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے: اے میرے رب! آپ نے مجھے تھوڑی سی مدت اور کیوں نہ دے دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ کسی جان کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جب اس کا مقررہ وقت آجائے''۔

اور جو شخص آج اپنی مہلت کی قدر نہیں کرتا، قیامت کے دن وہ یہ حسرت کرتا نظر آئے گا: ''کاش! میں نے اپنی (اس) زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا''۔

اسلام کی خوبی: لایعنی کو چھوڑ دینا

رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیثِ مبارکہ میں مسلمان کے اسلام کی خوبی کو ایک جامع جملے میں سمیٹ دیا:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ (جامع الترمذی، رقم الحدیث: 2317)

''کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے''۔

جو مسلمان اسلام کا نام لیوا ہے، اس کے مسلمان ہونے کی متعدد خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کی برکت سے فضولیات سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ''مالایعنیہ'' (جو اس کے کام کا نہیں) کا دائرہ بہت وسیع ہے: غیر ضروری گفتگو، بے فائدہ بحثیں، دوسروں کی ٹوہ، وقت گزاری کے مشاغل اور وہ سب کچھ جس کا نہ دین میں فائدہ ہے نہ دنیا میں۔ اسی سے متعلق ایک اور حدیث میں ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6018)

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے''۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ایسی مجلسوں پر بھی متنبہ فرمایا جو ذکرِ الٰہی سے خالی گزر جائیں کہ ایسی مجلس قیامت کے دن ان لوگوں کے لیے حسرت کا سبب بنے گی۔

قیامت کے دن عمر کا سوال:

وقت کی جواب دہی کے بارے میں سب سے صریح رہنمائی وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ قیامت کے دن بندہ چار چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ کے بغیر اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گا:

لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ (جامع الترمذی، رقم الحدیث: 2417)

''قیامت کے دن بندے کے قدم اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے چار باتیں نہ پوچھ لی جائیں: اس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں گنوایا، اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کیا عمل کیا، اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کس کام میں کھپایا؟''

ان چاروں سوالوں کا گہرا تعلق وقت سے ہے: ''عمر'' خود وقت ہے، ''جسم'' کو کھپانا وقت اور توانائی کا استعمال ہے، ''علم'' پر عمل کرنا وقت کی پابندی مانگتا ہے، اور ''مال'' کی کمائی اور خرچ دونوں میں وقت لگتا ہے۔ سب سے پہلا اور جامع سوال ہی عمر کا ہے، گویا پوچھا جائے گا کہ زندگی کے وہ سب لمحے کہاں خرچ ہوئے۔

دنیا میں مسافر کی طرح رہو:

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6416)

''دنیا میں ایسے رہو گویا تم اجنبی ہو یا راہ چلتے مسافر''۔ (حدیث کے آخر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے) ''جب شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح کرو تو شام کا انتظار نہ کرو، اپنی صحت سے اپنی بیماری کے لیے اور اپنی زندگی سے اپنی موت کے لیے (کچھ) لے لو''۔

مسافر کی پہچان یہ ہے کہ وہ سفر کے وقت کو ضائع نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ منزل اس کا انتظار کر رہی ہے۔ جو شخص آج کا کام کل پر ٹالتا ہے اسے کیا معلوم کہ اسے کل نصیب ہوگا بھی یا نہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے موت کو کثرت سے یاد کرنے کی تاکید فرمائی جو لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔

جاری ہے۔۔۔۔۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ. (سنن النسائی، رقم الحدیث: 4211)

ترجمہ: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان شخص پر (امام و حکمران کی) ہر چیز میں سمع و طاعت (حکم سننا اور اس پر عمل کرنا) واجب ہے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند، سوائے اس کے کہ اسے گناہ کے کام کا حکم دیا جائے۔ لہٰذا جب اسے گناہ کے کام کا حکم دیا جائے تو کوئی سمع و طاعت نہیں''۔

عہدِ حاضر کی اسلامی ریاست کے خدوخال

ماخذ: تنظیم اسلامی کا انقلابی منشور

حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے چنانچہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جا سکے گا۔ اعلیٰ عدالتوں کو پورا اختیار ہو گا کہ اس قانون کو منسوخ کر دیں جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔

ریاست کے کامل شہری صرف مسلمان ہوں گے اور ان کے حقوقِ شہریت بالکل مساوی ہوں گے اور وہ اسلام کے اصولِ مشاورت (شوریٰ) کے مطابق باہمی مشورے سے ملک کے نظام کو چلائیں گے۔

تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہوں گے اور کوئی شخص حتیٰ کہ خلیفہ، صدرِ ریاست یا وزیرِ اعظم بھی قانون سے بالاتر نہ ہو گا۔

غیر مسلموں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا پورا ذمہ لیا جائے گا اور انہیں کامل معاشی اور مذہبی آزادی حاصل ہوگی چنانچہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنی آئندہ نسلوں کی تعلیم وتربیت کے حق دار ہوں گے۔ البتہ انہیں کھلے عام تبلیغ کا حق حاصل نہیں ہو گا۔

وحدانی یا فیڈرل یا کنفیڈرل نظامِ ریاست اور اسی طرح صدارتی یا پارلیمانی طرزِ حکومت میں سے کسے اختیار کیا جائے اس کا فیصلہ عوام کی رضامندی پر منحصر ہو گا۔ اس لیے کہ ان میں سے کوئی بھی دینی اعتبار سے نہ لازمی ہے نہ حرام یا ناجائز۔

علاقائی یا نسلی وقبائلی روایات میں سے جو شریعت اسلامی سے متصادم نہ ہوں انہیں پورا تحفظ حاصل ہو گا۔

اسی طرح علاقائی زبانوں کے حقوق کی حفاظت ہوگی البتہ سب سے زیادہ زور عربی زبان کی ترویج پر دیا جائے گا۔

معاشی نظام:

ریاست ہر شہری کی بنیادی ضروریات یعنی غذا، لباس، رہائش، تعلیم اور علاج کی ذمہ دار ہوگی۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے مسلمانوں سے زکوٰۃ اور عشر اور غیر مسلموں سے جزیہ کی وصولی کا انتظام نافذ ہو گا۔

مخلوقِ خدا کی خدمت کرنے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور ضرورت مند افراد کو بغیر سود قرضہ دینے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

سود کی لعنت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جائے گا۔

جوئے، سٹے، لاٹری، دوطرفہ آڑہت (commission) اور خرید و فروخت کی تمام حرام صورتوں کو ختم کر کے سرمایہ داری کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

شریعت اسلامی کی حدود کے اندر اندر انفرادی ملکیت (ownership) اور آزاد معاشی جدوجہد کی فضا برقرار رہے گی۔ اس ضمن میں صحت مقابلے (competition) سے صنعت وتجارت میں ترقی اور پیداوار میں اضافہ ہو گا۔

مزدور اور کارخانہ دار کے درمیان اسلامی بھائی چارے اور عدل وانصاف کے علاوہ باہمی سودا کاری (bargaining) میں مزدور کو ریاست کی جانب سے کفالت کی ضمانت حاصل ہو گی۔

جاگیر داری کی لعنت کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا اور یوں زمینداری کی ساری برائیاں بھی ختم ہو جائیں گی۔ اس سلسلے میں امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے متفقہ فتوے سے بھی مدد لی جا سکتی ہے جس کی رو سے ''مزارعت'' اپنی اکثر صورتوں میں حرام ہے اور حضرت عمر کے اس اجتہاد کو بھی بنیاد بنایا جا سکتا ہے کہ جو علاقے کسی بھی وقت مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیے تھے ان کی اراضی انفرادی ملکیت نہیں ہوتیں بلکہ اسلامی ریاست

کے بیت المال کی ملکیت ہوتی ہیں۔ بہر طور زمینداری کی تمام برائیوں کا قلع قمع ہوجائے گا۔

معاشرتی نظام :

تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں لہذا نسل، رنگ، زبان، پیشے اور جنس کی بنیاد پر کوئی اونچ نیچ نہ ہوگی۔ عزت کا معیار صرف تقویٰ و پرہیز گاری ہوں گے۔

پردے کے شرعی احکام کے نفاذ سے خواتین کی عزت ووقار کی حفاظت کی جائے گی۔ اسلام کے خاندانی نظام کے تحت خواتین کی معاشی کفالت کی پوری ضمانت ہوگی تاکہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ آئندہ نسل کی بہترین تربیت کر سکیں۔

خواتین کے لیے ملکیت اور وراثت کے اسلامی حقوق نیز تعلیم و صحت اور گھریلو صنعتوں کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کے استعمال کی پوری آزادی ہوگی۔

اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے بدامنی کا مکمل خاتمہ ہوجائے گا اور قتل، چوری اور ڈاکے کے علاوہ زنا اور تہمت زنا کی بھی جڑ کٹ جائے گی۔

سماجی برائیوں جیسے رشوت، فضول خرچی، نمود و نمائش کے لیے بے تحاشا دولت ضائع کرنے اور شادی بیاہ کی ہندوانہ رسموں کا خاتمہ ہوجائے گا۔

مفت اور جلد از جلد انصاف مہیا ہوگا اور جھوٹی گواہی کا خاتمہ ہوجائے گا۔

سب کے لیے ایک ہی جیسا نظامِ تعلیم ہوگا۔ اس میں قدیم و جدید اور دینی و دنیوی کی کوئی تقسیم نہیں ہوگی۔ تعلیم میٹرک تک مفت ہوگی۔

نفاذِ شریعت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ

اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ مرغوب ذہنیت ہے جو مغربی افکار سے اس درجہ سے مسموم ہو چکی ہے کہ اس کو کوئی بھی ایسی بات قابل عمل یا پسندیدہ نظر نہیں آتی جس پر مغربی ماہرین یا مفکرین کی مہرِ تصدیق ثبت نہ ہو، یہ مغرب زدہ ذہنیت مغرب کے بنائے ہوئے دائروں سے نکل کر اپنے مسائل کو سوچنے و سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ چنانچہ ہر وہ تجویز جس میں مغربی طرزِ زندگی سے کوئی انحراف برتا گیا ہو اس طبقہ کو ناگوار اور ناقابل عمل نظر آتی ہے۔ اور چونکہ ہماری شامتِ اعمال سے یہی ذہنیت فیصلہ کن مناصب پر فائز ہے اس لیے وہ قدم قدم پر اصلاح کی ہر تجویز میں دانستہ یا نادانستہ رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔

"نفاذِ شریعت اور اس کے مسائل از شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی"

حقیقی تبدیلی بذریعہ قرآن کریم

قرآن حکیم کا کارنامہ ایک جملے میں بیان کیجئے، تو یہ ہے کہ اس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا اور توحید، معاد اور رسالت پر یقین محکم کی کیفیت پیدا کر دی۔ لیکن اس سے اس ہمہ گیر تبدیلی کا اندازہ نہیں ہوتا جو قرآن حکیم کی بدولت ان کی زندگیوں میں برپا ہوگئی تھی، اس لیے کہ قرآن نے اُن کا فکر بدلا، سوچ بدلی، نقطۂ نظر بدلا، اقدار بدلیں، عزائم بدلے، امنگیں بدلیں، شوق بدلے، دل چسپیاں بدلیں، خوف بدلے، اُمیدیں بدلیں، اخلاق بدلے، کردار بدلے، خلوت بدلی، جلوت بدلی، انفرادیت بدلی، اجتماعیت بدلی، دن بدلا، رات بدلی حتی کہ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ کے مصداق آسمان بدلا، زمین بدلی، الغرض پوری کائنات بدل کر رکھ دی اور اِس پوری تبدیلی کا ذریعہ اور آلہ ہیں قرآنِ حکیم کی آیات۔

(قرآن اور جہاد: از بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن اکیڈمی یاسین آباد کا تفریحی و تربیتی سفر

(فارم ہاؤس کی ایک یادگار شام)

حافظ عبدالرافع
استاذ قرآن اکیڈمی یاسین آباد

علم و عمل کے سنگم پر جب کبھی تفریح کا رنگ بھی شامل ہو جائے تو یہ محض وقت گزاری نہیں بلکہ ایک ایسی یادگار تربیت بن جاتی ہے جو دلوں میں گہرے نقوش چھوڑ جاتی ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی رجوع الی القرآن کورس کے شرکا کا وہ تفریحی و تربیتی سفر تھا جو قرآن اکیڈمی یٰسین آباد کے زیرِ اہتمام ایک فارم ہاؤس کی جانب کیا گیا۔ یہ سفر محض چند گھنٹوں کی تفریح نہیں بلکہ علم، اخوت اور روحانیت کا حسین امتزاج تھا، جس کی ایک ایک جھلک قابلِ ذکر ہے۔

نمازِ عصر: روانگی سے قبل کا پرنور منظر

سفر کے آغاز سے قبل تمام شرکا نے قرآن اکیڈمی یٰسین آباد میں نمازِ عصر باجماعت ادا کی۔ نمازِ عصر کی ادائیگی کے فوراً بعد، شام ٹھیک 6:15 بجے قافلہ قرآن اکیڈمی یٰسین آباد سے روانہ ہوا۔ ہر طالبِ علم کے چہرے پر یہ احساس نمایاں تھا کہ آج کا دن محض تفریح کا نہیں، بلکہ سیکھنے اور سکھانے کا بھی دن ہے۔ سفر کے آغاز میں دعا اور آدابِ سفر بتائے گئے۔

دورانِ سفر: علم و عمل کی محفل

سفر کا یہ حصہ اپنی ذات میں ایک الگ ہی کیفیت لیے ہوئے تھا۔ عام طور پر ایسے سفروں میں شور شرابا اور بے مقصد گفتگو کا غلبہ ہوتا ہے، مگر یہاں منظر یکسر مختلف تھا۔ گاڑی کی نشستوں پر بیٹھے طلبہ و اساتذہ کے درمیان علمی و عملی گفتگو کا ایک تسلسل جاری رہا۔ کہیں طلبہ اپنے اساتذہ سے دینی و دنیاوی معاملات میں رہنمائی طلب کر رہے تھے۔ سفر کی راہداری میں یہ علمی مکالمہ کبھی سوال و جواب کی صورت اختیار کرتا تو کبھی کسی واقعے یا نصیحت کے تبادلے میں بدل جاتا۔ کچھ طلبہ نے اپنے اساتذہ سے رجوع الی القرآن کورس میں حاصل ہونے والی برکات کا تذکرہ کیا، تو کچھ نے اپنی زندگیوں میں آنے والی تبدیلیوں کا احوال بیان کیا۔ اساتذہ کرام نے بھی اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے طلبہ کی تربیت کا سلسلہ جاری رکھا اور انہیں علم کے ساتھ عمل کی اہمیت پر زور دیتے رہے۔ یوں سفر کا یہ پورا وقفہ، جو بظاہر محض ایک راستہ طے کرنے کا مرحلہ تھا، درحقیقت ایک متحرک اور بابرکت درسگاہ میں بدل گیا جہاں علم و عمل کی خوشبو ہر سُو پھیلی ہوئی تھی۔

فارم ہاؤس میں آمد اور نمازِ مغرب:

تقریباً 7:30 بجے قافلہ اپنی منزل، فارم ہاؤس پہنچا۔ کھلی فضا، سرسبز ماحول اور ٹھنڈی ہوا نے سفر کی تھکن کو یکسر دور کر دیا۔ فارم ہاؤس پہنچتے ہی سب سے پہلے سیکشن بی کے طالبِ علم جناب اذان عالم صدیقی نے اذانِ مغرب کی صدا بلند کی اور بلا تاخیر سیکشن بی کے طالبِ علم جناب حافظ ابشام الحسن نے نمازِ مغرب پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ یہ منظر اپنے آپ میں ایک پیغام تھا کہ چاہے مقصد تفریح ہی کیوں نہ ہو، عبادت کو کسی صورت پسِ پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔

امیرِ سفر کی رہنما ہدایات:

نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد ناظمِ تعلیم و امیرِ سفر جناب عاطف محمود صاحب نے تمام شرکا کو مخاطب کیا۔ انہوں نے نہایت شفقت اور محبت

بھرے انداز میں سفر کے مقاصد کو واضح کیا اور شرکا کو ہدایت دی کہ تفریح سے لطف اندوز ہونا اپنی جگہ، مگر اس دوران اسلامی آداب اور دینی مزاج کو کسی بھی صورت ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک طالبِ علم کی اصل پہچان یہی ہے کہ وہ خوشی اور مسرت کے لمحات میں بھی اپنے رب کو فراموش نہ کرے اور اپنے قول و فعل سے دینی وقار کا مظہر بنا رہے۔ ان ہدایات نے پورے سفر پر ایک نظم و ضبط کی چادر تان دی جس کے زیرِ سایہ باقی تمام سرگرمیاں انجام پائیں۔

تربیتی نشست: ''رجوع الی القرآن، اللہ کا انعام''

ہدایات کے بعد ایک نہایت فکر انگیز اور روح پرور تربیتی نشست کا انعقاد ہوا۔ اس نشست میں رجوع الی القرآن کورس سیکشن بی کے ایک طالبِ علم جناب علی حسن صاحب نے ''رجوع الی القرآن، اللہ کا انعام'' کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ مقرر نے نہایت مؤثر انداز میں شرکا کو سمجھایا کہ قرآنِ کریم کی جانب رجوع ہونا محض ایک علمی مشغلہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خاص انعام اور توفیق ہے جو ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتی۔ انہوں نے کورس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ جن لوگوں کو اس راہ پر چلنے کی سعادت ملی ہے انہیں چاہیے کہ وہ اس نعمت کی قدر کریں اور اسے محض ایک وقتی سرگرمی کے بجائے اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں۔ اس مختصر مگر جامع گفتگو نے حاضرین کے دلوں کو گرمایا اور کئی چہروں پر اثر پذیری کے آثار واضح طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔

نمازِ عشاء اور ریفریشمنٹ:

تربیتی نشست کے اختتام پر نمازِ عشاء کا وقت ہو چکا تھا، چنانچہ تمام شرکا نے باجماعت نمازِ عشاء ادا کی۔ نمازِ عشاء کی ذمہ داری سیکشن اے کے طالبِ علم جناب محمد عرفان بروھی صاحب نے ادا کی۔ نماز کی ادائیگی کے فوراً بعد ریفریشمنٹ کا اہتمام کیا گیا جہاں شرکا ریفریشمنٹ سے لطف اندوز ہوئے۔ اسی دوران شرکا نے فارم ہاؤس کے مختلف حصوں کا وزٹ بھی کیا، اس کی خوبصورتی اور سہولیات کا جائزہ لیا اور آپس میں مل کر رات کی تفریحی سرگرمیوں کے لیے لائحہ عمل تیار کیا۔

تفریحی سرگرمیوں کا آغاز:

ریفریشمنٹ کے فوراً بعد فارم ہاؤس کا ماحول سرگرمیوں سے جگمگا اٹھا۔ کچھ نوجوان سوئمنگ پول کی جانب لپکے، تو کچھ نے کھلے میدان کا رخ کیا جہاں بھاگ دوڑ اور مختلف کھیلوں کی گونج سنائی دینے لگی۔ فٹبال کے شوقین بھی پیچھے نہ رہے اور میدان کے ایک کونے میں گیند کے پیچھے بھاگتے دکھائی دیے۔ دوسری جانب بڑی عمر کے ساتھیوں نے، جو میدانی کھیلوں سے کچھ فاصلے پر رہنا پسند کرتے تھے، انڈور گیمز کی محفل جمالی اور وہاں بیٹھ کر ہنسی مذاق اور صحت مندانہ مقابلوں سے شام کو یادگار بنا دیا۔

بعد ازاں رات ٹھیک 12:00 بجے لائیو باربی کیو کا اہتمام کیا گیا جو کہ اپنی مثال آپ تھا۔ جس طرح اس پکنک کے دیگر انتظامات میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی تھی، اسی طرح اس لذیذ کھانے نے بھی محفل میں چار چاند لگا دیے۔ کوئلوں کی مہک، باربی کیو کی خوشبو اور شرکا کی ہنسی مذاق سے بھری گفتگو نے پوری فضا کو ایک الگ ہی رنگ دیا۔

نمازِ فجر، ناشتہ اور بخیریت واپسی:

رات بھر کی تفریح کے باوجود شرکا نے عبادت کے فرض کو کبھی نظر انداز نہ کیا۔ صبح 4:45 بجے تمام شرکا کو بیدار کیا گیا، قرآن اکیڈمی کے استاذ محترم جناب حذیفہ محمود صاحب نے نمازِ فجر کی امامت ادا کی۔ اس منظر نے ایک بار پھر اس بات کی گواہی دی کہ تفریح اور دینداری ایک ساتھ چل سکتی ہیں، بشرطیکہ نیت خالص اور تربیت مضبوط ہو۔ نمازِ فجر کے بعد شرکا نے مل بیٹھ کر ناشتہ کیا اور واپسی کی راہ لی اور تقریباً ایک گھنٹہ بعد قرآن اکیڈمی یاسین آباد پہنچے، جہاں سے خوشگوار یادوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کی جانب روانہ ہو گئے۔

اختتامیہ:

یہ سفر محض چند گھنٹوں کی تفریح نہ تھا بلکہ ایک ایسا سبق آموز تجربہ تھا جس نے ثابت کیا کہ حقیقی تفریح وہی ہے جو دینی حدود کے دائرے میں رہ کر کی جائے۔ نماز کی پابندی، علمی گفتگو، تربیتی نشست، صحت مندانہ کھیل کود اور باہمی محبت و اخوت کا امتزاج اس سفر کو ایک یادگار سفر بنا گیا۔

ماہانہ رپورٹ برائے آئینۂ انجمن

قرآن اکیڈمی ڈیفنس

مؤرخہ 6 اپریل 2026ء سے رجوع الی القرآن کورس کے 33ویں بیچ کا آغاز ہوا۔ جس میں 18 حضرات اور 20 خواتین، جب کہ آن لائن شرکت کرنے والوں کی تعداد 35 ہے۔ رواں ماہ خصوصی محاضرات کے ذیل میں ''میرا گھر میری ذمہ داری (حصہ چہارم)'' (استاذ انجینئر نعمان اختر صاحب) اور ''امت مسلمہ کا عروج وزوال اور احیائی عمل کے تین گوشے'' (استاذ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب) کے عنوانات پر لیکچرز منعقد ہوئے۔

مؤرخہ 19 ستمبر 2026ء سے ہفتہ وار ''ایکٹیو ویک اینڈ'' کورس کا آغاز کیا گیا ہے۔ یہ کورس کلاس ششم سے کلاس دہم (11 تا 16 سال کی عمر) کے طلبہ کے لیے ہر ہفتے کے دن دوپہر 2:30 تا سہ پہر 4:30 بجے منعقد ہوگا۔ اس کورس میں شرکا کو مطالعہ قرآن حکیم، اسپیشل لیکچرز، مسنون دعائیں، طہارت و نماز کے مسائل سکھانے کے ساتھ ساتھ کھیلوں کی مختلف سرگرمیوں کے لیے بھی وقت دیا جائے گا۔

مؤرخہ 19 ستمبر 2026ء سے بچیوں کے لیے ہفتہ وار Young Muslimah کورس کا آغاز ہوا، جس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ خطاطی، آرٹ اینڈ کرافٹ وغیرہ کے لیے بھی تعلیم و مشق کا وقت مختص کیا گیا ہے۔

دوران ماہ مسجد میں پہلا اور تیسرا جمعہ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب، جب کہ دوسرا اور چوتھا جمعہ شجاع الدین شیخ صاحب نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

دوران ماہ مسجد میں دو نکاح کی تقریبات منعقد ہوئیں۔

قرآن اکیڈمی یٰسین آباد

رجوع الی القرآن کورس 27-2026 (سال اول سیکشن اے) میں 45 حضرات اور 84 خواتین، رجوع الی القرآن کورس (سال اول سیکشن بی) میں 32 حضرات اور رجوع الی القرآن کورس (سال دوم) میں 21 حضرات اور 18 خواتین شرکت کر رہے ہیں۔

رجوع الی القرآن کورس (سال اول سیکشن اے، بی) کے تحت ''منہج انقلاب نبوی ﷺ'' (استاذ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب)، ''جہاد فی سبیل اللہ'' (استاذ محمد ارشد صاحب) اور ''جہاد فی سبیل اللہ'' (استاذ سید محمد مصطفیٰ صاحب) کے موضوعات پر لیکچرز منعقد ہوئے۔

حلقات و دورات دینیہ کے تحت اس وقت ''قرآن فہمی کورس''، ''دورۂ ترجمہ قرآن (بعد نماز عشاء)''، ''مختصر درس قرآن (اہل محلہ/نمازی حضرات کے لیے بعد نماز ظہر)''، ''سلسلہ وار دورۂ ترجمہ قرآن (خواتین)''، ''دراسات دینیہ سال اول و دوم''، ''مختصر درس حدیث (اہل محلہ/نمازی حضرات بعد نماز عصر)''، ''تجوید القرآن سہ پہر''، ''احکام و مسائل طہارت و نماز (خواتین)''، ''عربی تکلم کورس''، ''تذکیر بالقرآن کورس برائے خواتین''، ''سلسلہ وار دورۂ ترجمہ قرآن''، ''مادہ پرستی کے فتنے کا رد (سورۃ بنی اسرائیل کی روشنی میں)''، ''علم و عمل کورس (طالبات)''، ''منتخب نصاب کی صرفی و نحوی تحلیل اور عربی تفاسیر سے تقابلی جائزہ'' اور ''ایک روزہ ورکشاپ'' (تنظیم الاوقات) جاری ہے، جس میں اوسط تعداد 761 کے قریب ہوتی ہے۔

ایک روزہ ورکشاپ برائے تنظیم الاوقات Time Management (والدین کے لیے)، The Purpose of My Life (بچوں اور بچیوں

کے لیے) منعقد کیا گیا، جس میں والد اور بچوں کی تعداد 52 جب کہ والدہ اور بچیوں کی مجموعی تعداد 87 رہی۔
فائر فائٹنگ سیشن: ادارہ ھذا کے ساتھیوں کے لیے آگ بجھانے کی معلومات پر مبنی ایک سیشن منعقد ہوا۔ علاوہ ازیں 27 ستمبر بروز اتوار ''غسل و تکفین و تدفین میت'' ورکشاپ منعقد ہوئی۔
مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ میں 112 طلبہ، جب کہ مدرسۃ البنین والبنات میں 258 طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ علاوہ ازیں مغرب تا عشاء حلقہ میں مقیم طلبہ کرام اور اہل محلہ و گردو نواح کے حضرات کے لیے ناظرہ قرآن کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔
شعبہ دعوت و تبلیغ کے تحت رواں ماہ پہلا اور چوتھا جمعہ ''الصلاۃ'' اور ''انفاق فی سبیل اللہ'' (محترم سید سلیم الدین صاحب)، دوسرا جمعہ ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' (محترم عاطف محمود صاحب) جب کہ تیسرا اور پانچواں جمعہ ''عدل و احسان کے تقاضے'' اور ''انفاق فی سبیل اللہ کے معاشی فوائد'' (محترم محمد ارشد صاحب) نے خطبہ ارشاد فرمایا۔
مسجد میں چھ نکاح کی تقریبات منعقد ہوئیں۔
شعبہ تصنیف و تالیف کے تحت ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے تحت منتخب نصاب (تفصیلی ویڈیوز) حصہ سوم کے درس نمبر (14) کی فائنل نظر ثانی و تصحیح مکمل کی گئی ہے۔ اسی طرح حصہ چہارم درس نمبر (17) کے حصہ دوازدہم کی فورمیٹنگ، ترمیم و ترتیب و تصحیح مکمل ہو چکی ہے، جب کہ حصہ سیزدہم اور درس نمبر (18) کے حصہ ششم پر فورمیٹنگ، ترمیم و ترتیب اور تصحیح کا کام جاری ہے۔
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب نصاب (تفصیلی ویڈیوز) حصہ سوم پر 'تصحیحات کا اندراج و نظرِ ثانی' کا کام جاری ہے۔
آئینہ انجمن ماہ ستمبر کو مکمل تیار کرنے کے بعد شمارے کی مکمل نظرثانی و تصحیح کی گئی۔ علاوہ ازیں ماہنامہ کے لیے ایک مضمون تیار کیا گیا۔
پیغام قرآن کے تحت سورۃ البقرہ کی فورمیٹنگ، ترمیم و ترتیب اور تصحیح مکمل ہو چکی ہے، جب کہ سورۃ القلم کی کمپوزنگ جاری ہے۔ دو مضامین بعنوان ''روداد پروگرام 5 ستمبر باہمی ملاقات'' اور ''اردو ادب میں بعض سنجیدہ اغلاط'' کی کمپوزنگ کی گئی۔
پیغام قرآن (از حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ) ''سورۃ الفاتحہ اور مکمل سورۃ البقرہ'' کے ترجمہ و تفسیر میں عنوانات شامل کر کے ترمیم و ترتیب اور نظر ثانی کی گئی۔
رواں ماہ شعبہ سوشل میڈیا کے تحت درج ذیل امور سر انجام دیے گئے۔
پروموز:
''بیان القرآن آن لائن LMS کورس''، ''رسول اللہ ﷺ کا مشن اور ہم پرومو (تنظیم اسلامی)''، ''گھر کی تعمیر ایک روزہ ورک شاپ (قرآن اکیڈمی یسین آباد)''، ''روشن گھر روشن معاشرہ پرومو (تنظیم اسلامی)''، ''غسل و تکفین و تدفین میت ورک شاپ'' اور ''نماز تربیتی ورکشاپ (تنظیم اسلامی)''۔

شارٹ ویڈیوز:	
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے دو مشن	دنیا اوپن بک اگزیم ہے
کیا آپ نے کبھی ڈاکٹر اسرار رحمۃ اللہ علیہ کو وظیفہ بتاتے سنا ہے؟	ڈاکٹر اسرار رحمۃ اللہ علیہ فیک ویڈیوز: تبصرہ نگران انجمن
موبائل فون اور سوشل میڈیا (مدیر تعلیم)	
کوریج:	
انجمن خدام القرآن سندھ کراچی ٹیچرز ٹریننگ پروگرام (گریڈ2)	نگران انجمن، دورہ NED University (گریڈ1)
کورپوریٹ ٹریننگ بمقام پاکستان سیکورٹی پرنٹنگ کورپوریشن مدیر دعوت و تربیت انجمن خدام القرآن سندھ کراچی (گریڈ1)	
قرآن اکیڈمی یسین آباد—فائر سیفٹی ورک شاپ (گریڈ2)	قرآن اکیڈمی یسین آباد—فیملی ورکشاپ (گریڈ2)
کلپس:	

نگران انجمن : 2	صدر موسس رحمۃ اللہ علیہ : 3
جھلکیاں :	
کورپریٹ لیکچر ڈاکٹر الیاس (پاکستان سیکورٹی پرنٹنگ کورپوریشن)	
پکنک قرآن اکیڈمی یٰسین آباد طلبہ رجوع الی القرآن کورس	

قرآن اکیڈمی کورنگی

رجوع الی القرآن کورس سال 27-2026 میں 14 حضرات اور 30 خواتین شریک ہیں۔ رواں ماہ خصوصی محاضرات کے ذیل میں ''امتِ مسلمہ کا عروج وزوال اور احیائی عمل کے تین گوشے'' (ڈاکٹر محمد الیاس صاحب)، ''اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور کرنے کا اصل کام'' (مدیر ادارہ جناب محمد ہاشم صاحب) اور ''میرا گھر میری ذمہ داری'' (انجینئر نعمان اختر صاحب) کے موضوعات پر لیکچرز منعقد ہوئے۔

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ قرآن اکیڈمی کورنگی للبنین والبنات میں شعبہ بنین میں 153 طلبہ اور شعبہ بنات میں 132 طالبات جب کہ بڑی عمر کی خواتین کی ناظرہ قرآن میں 26 خواتین زیرِ تعلیم ہیں۔

درجہ حفظ کے طلبہ میں مطالعہ قرآن حکیم (حصہ دوم) کی تین سورتیں (سورۃ النبأ، سورۃ النازعات اور سورۃ عبس) اور بعد نماز ظہر 'آداب زندگی' کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

شعبہ بنات میں درجہ قاعدہ کی طالبات کے لیے ''سورۃ الفاتحہ''، ''تسبیح کا بیان'' اور ''دعا کے آداب''، درجہ ناظرہ کی طالبات کے لیے ''سیرت مطہرہ''، ''حضرت ابراہیم علیہ السلام'' اور ''طہارت اور لباس کے آداب'' جب کہ ناظرہ قرآن کی خواتین کے لیے ''پیدائش سے غارِ حرا، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے موضوعات پر خصوصی لیکچرز منعقد ہوئے۔

قرآن اکیڈمی کورنگی شعبہ خواتین کے تحت جاری امور خانہ داری و تربیتی کورس میں 15 طالبات شرکت کررہی ہیں۔ نیز ان طالبات کے لیے ''سفر آخرت کے مراحل'' کے موضوع پر ایک تربیتی لیکچر منعقد کیا گیا۔

قرآن اکیڈمی کورنگی میں تنظیم اسلامی کورنگی شرقی کے تحت شام کے اوقات میں عربی گرامر کورس میں تقریباً 15 حضرات شرکت کررہے ہیں۔ تدریس کی ذمہ داری جناب حافظ ریان صاحب ادا کررہے ہیں۔

قرآن اکیڈمی کورنگی میں تنظیم اسلامی کورنگی شرقی شعبہ خواتین کے تحت ''سفر آخرت کے مراحل'' کے موضوع پر ماہانہ درسِ قرآن منعقد ہوا، جس میں 60 خواتین نے شرکت کی۔

قرآن اکیڈمی کورنگی کے تحت ہفتہ وار قرآن فہمی کورس (ماڈیول-I) جاری ہے، جس میں 05 حضرات تسلسل کے ساتھ شرکت کررہے ہیں۔

قرآن اکیڈمی کورنگی کے تحت ہفتہ وار کلاسز پر مشتمل بنیادی علومِ دینیہ کورس میں 05 حضرات رجسٹریشن حاصل کرچکے ہیں۔

قرآن اکیڈمی کورنگی کے تحت Energy Solutions (Pvt.)Limited میں عربی گرامر کورس جاری ہے، جس میں تقریباً 25 حضرات شرکت کررہے ہیں۔ اس کورس میں تدریس کی ذمہ داری جناب حافظ محمد نعمان صاحب ادا کررہے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کے ضمن میں قرآن اکیڈمی کورنگی سے متصل جامع مسجد طیبہ میں تنظیم اسلامی کورنگی شرقی کے تحت دورۂ ترجمہ قرآن ہر جمعرات ہفتہ وار ایک رکوع کے درس کا انعقاد کیا جاتا ہے، جس میں سورۃ ھود کا مطالعہ مکمل ہوا۔ مدرس کی ذمہ داری صدرِ انجمن خدام القرآن، سندھ جناب انجینئر نعمان اختر صاحب ادا فرماتے ہیں، جس میں اوسطاً 70 حضرات نے شرکت کی۔

تنظیم اسلامی کورنگی شرقی کے تحت مؤرخہ 05 ستمبر 2026ء بروز ہفتہ سے پانچ ہفتوں پر مشتمل ''روشن کردار-روشن معاشرہ'' کے عنوان سے لیکچر سیریز کا آغاز ہوا، جس کے تحت تین لیکچرز منعقد ہو چکے ہیں۔ پہلا 'کردار اور اخلاقیات' (مقامی ناظمِ دعوت جناب ارباب صدیقی

صاحب)، دوسرا ''ایمان اور اندرونی قوت'' (جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب) اور تیسرا ''نفس اور اصلاحِ ذات'' (مقامی ناظمِ تربیت جناب حافظ ریان بن نعمان صاحب) کے عنوان سے منعقد ہوئے۔

دی ہوپ اسلامک اسکول

اسمبلی میں سیرت النبی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر تقریر اور نعت کا پروگرام منعقد ہوا۔
پری پرپ سیکشن میں Yellow Activity تعلیمی سرگرمی منعقد ہوئی۔
21 ستمبر 2026ء بروز پیر سے Half Yearly امتحانات منعقد ہو رہے ہیں۔

قرآن انسٹیٹیوٹ گلستانِ جوہر

رواں ماہ رجوع الی القرآن کورس (2026-27) میں 30 حضرات اور 35 خواتین سمیت کل 65 شرکا شرکت کر رہے ہیں۔ رواں ماہ خصوصی محاضرات کے ذیل میں ''منہج انقلاب نبوی ﷺ'' (جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب)، ''تزکیۂ نفس'' (جناب عامر خان صاحب) اور ''عقیدہ ختم نبوت اور فتنۂ قادیانیت'' (مبلغ شبان ختم نبوت جناب مولانا محمد علی صاحب) کے موضوعات پر لیکچرز منعقد ہوئے۔ علاوہ ازیں اس ماہ خصوصی محاضرات پر مشتمل ''میرا گھر میری ذمہ داری'' (جناب انجینئر نعمان اختر صاحب) کا آغاز ہوا جس کے چار محاضرے اگلے ماہ مکمل ہوں گے۔
بعد از نماز فجر ''درس قرآن و حدیث'' (جناب ندیم گیلانی اور قاری غلام اکبر صاحبان)، بعد از نماز عصر ''درس حدیث'' (قاری غلام اکبر صاحب) اور بعد از نماز فجر ''تجوید'' (قاری محمد ارسلان صاحب) جاری ہے۔
واٹس ایپ پر ''عربی گرامر'' کے ساتویں بیچ جاری ہے۔ جس میں 665 طلبہ نے شمولیت اختیار کی۔ اسی طرح ہفتہ وار قرآن فہمی کورس میں 26 طلبہ نے شرکت کی۔ رواں ماہ آئینہ انجمن کے لیے مضامین تیار کر کے شعبہ تصنیف و تالیف کو ارسال کیے گئے۔
رجوع الی القرآن کورس کا مضمون ''ترجمہ قرآن اور قرآن فہمی کورس'' کا مضمون مختصر عربی گرامر کی ویڈیو ریکارڈنگز تیار کر کے متعلقہ گروپس پر بھیجے گئے۔ علاوہ ازیں مختلف تنظیم کے 35 پروگرام منعقد ہوئے۔
مدرسۃ القرآن میں قاعدہ و ناظرہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے، جہاں تقریباً 40 طلبہ زیر تعلیم ہیں۔
رواں ماہ خطبہ جمعہ کی سعادت مدیر ادارہ جناب ڈاکٹر انوار علی صاحب اور جناب راسب وسیم صاحب نے حاصل کی۔

قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد

قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد میں تسلسل کے ساتھ رجوع الی القرآن کورس میں تقریباً 10 حضرات اور 25 خواتین شریک ہیں۔ اس ماہ تین اسپیشل لیکچرز ''تزکیۂ نفس'' اور ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' (استاذ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب) جب کہ ''میرا گھر میری ذمہ داری'' (استاذ انجینئر نعمان اختر صاحب) منعقد ہوئے۔
ہفتہ وار تفسیر القرآن کورس کے تحت سورۃ البقرہ کے ابتدائی چودہ رکوع مکمل ہو چکے ہیں۔
قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد میں بچیوں کے لیے ناظرہ قرآن جاری ہے۔ دن: پیر تا جمعرات، وقت 03:00 تا 04:00۔
بروز ہفتہ 'دروس اللغۃ العربیہ' کورس کا بھی آغاز ہو چکا ہے۔
مدرسۃ القرآن برائے قاعدہ و ناظرہ میں اور بعد نمازِ مغرب بالغان کے لیے بھی قاعدہ و ناظرہ قرآن کی تعلیم اور بروز جمعہ بعد نمازِ مغرب تذکیر بالقرآن کے تحت درسِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے۔

شعبہ سندھی تصنیف و تالیف کے تحت بانی تنظیم اسلامی و مؤسس انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے تقریباً 60 کے قریب مختلف کتابچوں اور کتب کا ابتدائی سندھی ترجمہ کیا جاچکا ہے۔

قرآن انسٹیٹیوٹ بحریہ ٹاؤن

الحمدللہ رجوع الی القرآن کورس سال اول جاری ہے۔ اس ماہ خصوصی محاضرات کے تحت ایک خصوصی لیکچر ''میرا گھر میری ذمہ داری'' (استاذ انجینئر نعمان اختر صاحب) منعقد ہوا۔

مدرسہ تحفیظ القرآن میں حفظ و ناظرہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ دورانِ ماہ حفظ و ناظرہ بوائز سیکشن کے ششماہی امتحانات کے نتائج سنائے گئے اور اسناد تقسیم کی گئیں، جب کہ گرلز سیکشن کے ششماہی امتحانات منعقد ہوئے اور ماہ کے اواخر میں نتائج سنائے گئے۔

اس ماہ کی 15 تاریخ سے صرف مردوں کے لیے چار ماہ پر مشتمل Evening Course بعنوان Essentials of Islam کا آغاز ہوگا، جس میں عربی گرامر، سیرتِ النبی ﷺ، احادیثِ مبارکہ، منتخب نصاب، تجوید اور خصوصی لیکچرز شامل ہیں۔

انجمن خدام القرآن (بحریہ ٹاؤن کراچی) کے غیر فعال رفقا و احباب کو متحرک کرنے کی کوششیں کی گئیں، جن کے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔

قرآن مرکز لانڈھی

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ للبنین والبنات میں شعبہ بنین کے درجہ حفظ میں 59 جب کہ درجہ قاعدہ و ناظرہ میں 39 طلبہ اور شعبہ بنات میں 54 طالبات زیر تعلیم ہیں۔

حلقات و دورات دینیہ کے تحت حضرات کے لیے بعد نماز عشاء آسان عربی گرامر برائے قرآن فہمی کورس جاری ہے۔

ہفتہ وار درسِ قرآن (بروز جمعہ) میں سورۃ المؤمنون کا مطالعہ جاری ہے۔ امیر لانڈھی تنظیم و ناظم مرکز محترم محمد ہاشم صاحب درس کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ نیز ماہانہ درس قرآن و حدیث کا انعقاد ہوا جس میں امیر لانڈھی تنظیم نے بیان کی ذمہ داری ادا کی۔

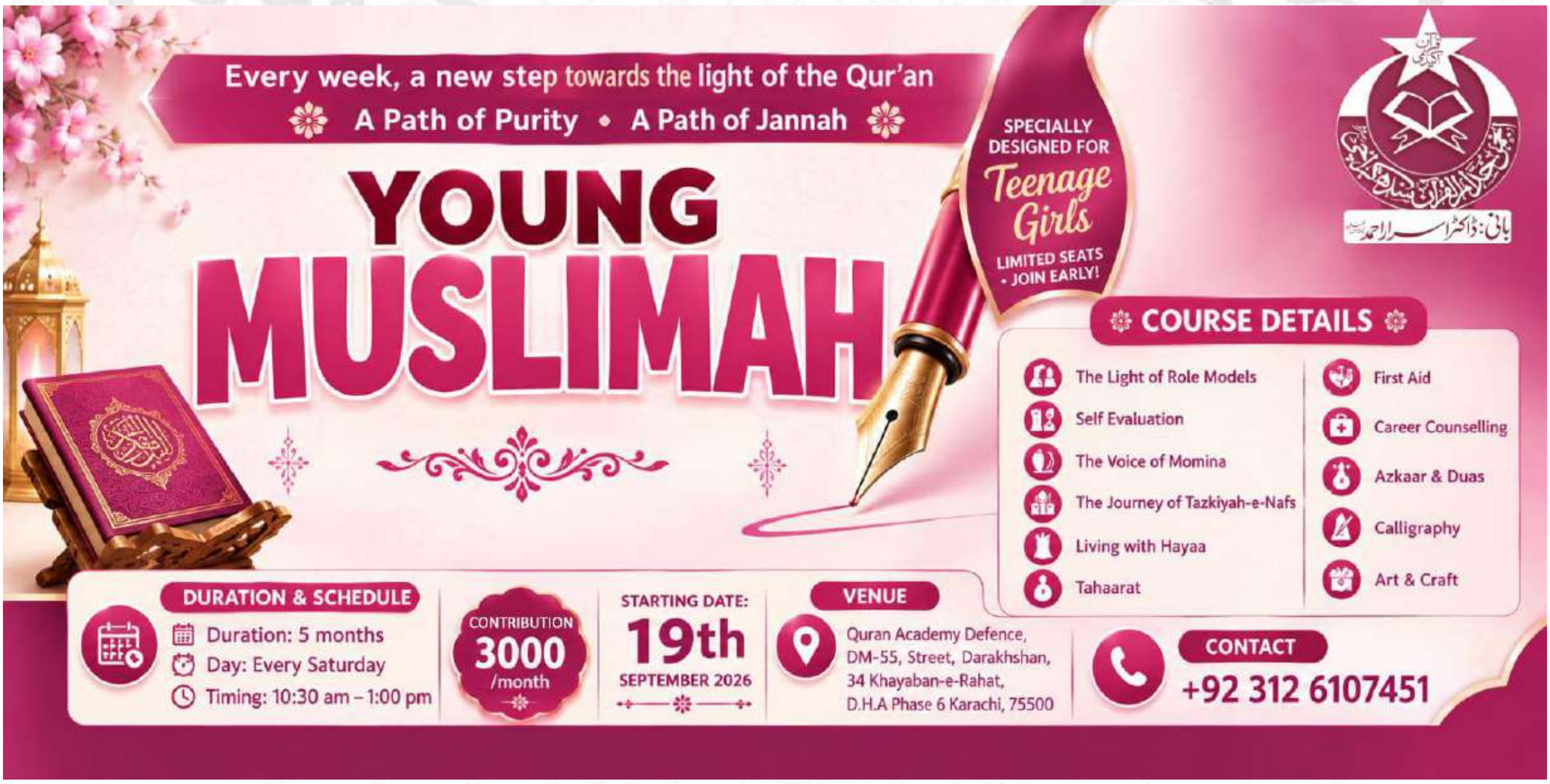

شعبہ ملٹی میڈیا

خطباتِ جمعہ (محترم شجاع الدین شیخ صاحب):

ماہِ ستمبر 2026ء میں محترم شجاع الدین شیخ صاحب کے درج ذیل موضوع پر ہونے والے خطبات کی ویڈیو ریکارڈنگ کی گئی جسے انجمن اور تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ اور سوشل میڈیا پر شائع کیا گیا:

کیا نبی کریم ﷺ کا مشن غلبۂ دین اور اس کی جدوجہد، ہماری ذمہ داری ہے؟ ماضی اور حال کے مفسرین کی آرا کی روشنی میں۔
شریعت نعمت و رحمت ہے، زحمت نہیں!
تصور حقوق العباد اور خدمت خلق غیروں سے نہیں، الہامی ہدایت سے سمجھیں!

تنظیم اسلامی پاکستان کی جانب سے ماہ ربیع الاول اور بعثت نبی کریم ﷺ کے حوالے سے نگرانِ انجمن و امیرِ تنظیم اسلامی جناب شجاع الدین شیخ صاحب کے خصوصی خطابات کا انعقاد کیا گیا۔ جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

اس سلسلے میں 25 اگست 2026ء کو بحریہ آڈیٹوریم، بحریہ ٹاؤن میں: عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور 26 اگست 2026ء کو کرکٹ گراؤنڈ، گلشنِ اقبال بلاک 6 میں ''رسول اللہ ﷺ کی شانِ عبدیت و رسالت'' کے عنوان سے پروگرام منعقد ہوئے۔

تنظیم اسلامی پاکستان کی جانب سے نوجوانوں کی تربیت، اسلامی افکار کے مطابق ذہن سازی اور معاشرے میں ان کردار کو مزید مضبوط بنا کر ایک اسلامی فلاحی ماحول کو ترویج دینے کی سوچ کے تحت ان کے اپنے بڑوں سے تعلق کو مزید مضبوط اور بااعتماد بنانے کی کاوشوں کی ایک کڑی "YOUTH MEET-UP" کا نواں سیشن قرآن اکیڈمی ڈیفنس میں مؤرخہ 12 ستمبر 2026ء کو منعقد ہوا۔ جس کا عنوان "MIND THE GAP" تھا، اس پروگرام کے مقرر ڈاکٹر انوار علی ابرار صاحب تھے۔

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

بانیٔ تنظیم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

امیر تنظیم: شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ

تنظیم اسلامی کا پیغام

خلافت راشدہ کا نظام

10 روزہ

نماز تربیتی کورس

میری نماز، تعلق باللہ کا ذریعہ

10 روزہ نماز تربیتی کورس کا مقصد نمازیوں کو محض نماز کے ظاہری طریقے سے آگاہ کرنا نہیں بلکہ نماز کی قدر و عظمت، اس کے صحیح طریقۂ ادائیگی، ضروری مسائل، نماز کے کلمات و اذکار کے ترجمے اور خشوع و خضوع کی کیفیت سے روشناس کرانا ہے

موضوعات

- طہارت کے مسائل
- نماز کے فضائل و اہمیت
- نماز کی شرائط
- سجدہ سہو کے مسائل
- نوافل اور قضا نمازوں کے مسائل
- نماز کا عملی طریقہ اور مشق
- نماز کے واجبات
- اذکارِ نماز کا ترجمہ و تشریح

آغاز

02 اکتوبر 2026ء

02 اکتوبر تا 11 اکتوبر

(روزانہ بعد نماز عصر)

صرف حضرات کے لیے

تنظیم اسلامی

زیر اہتمام تنظیم اسلامی یٰسین آباد

بمقام

قرآن اکیڈمی یٰسین آباد 0313-3425072

شارع قرآن اکیڈمی بلاک 9، فیڈرل بی ایریا کراچی

انجمن خدام القرآن اغراض و مقاصد

انجمن خدام القرآن
سندھ، کراچی، رجسٹرڈ

انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی کے قیام کا مقصد منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر واشاعت ہے۔ تاکہ اُمت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہوجائے اور اس طرح اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار ہوسکے۔

انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی کے اغراض و مقاصد:

- عربی زبان کی تعلیم و ترویج۔
- قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق۔
- علومِ قرآنی کی عمومی نشر واشاعت۔
- ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت جو تعلّم و تعلیم قرآن کو اپنا مقصدِ زندگی بنالیں، اور
- ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام جو قرآنِ حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کرسکے۔

☆☆☆